پطرس

انتخاب و مقدمہ

مظہر احمد

پیروڈی

انتخاب و مقدمہ

منظر احمد

PERODY BY MAZHAR AHMED

سنۂ اشاعت ۱۹۹۱ء

تعداد چھ سو

قیمت ۴۰ روپئے

مطبع نیو پبلک پریس دہلی

ناشر

منظر احمد

ملنے کا پتہ ــــ شبانہ پبلی کیشنز ۲۰۱۳ محلہ قبرستان ترکمان گیٹ دہلی۔ ۶

انتساب

استادِ محترم

مشیر جھنجھانوی مرحوم

کے نام

ع وہ کھو گیا تو مضامین ہو گئے بے ربط

ترتیب

انتخاب

کنھیا لال کپور

مسٹر دہلوی

قاضی غلام محمد

عاشق محمد غوری

دو باتیں

میرے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے کا عنوان " اردو شاعری میں طنز و مزاح (۱۹۴۷ء سے تاحال)" ہے۔تحقیق و تنقید کے دوران مجھے احساس ہوا کہ اردو پیروڈی کو آج تک ناقدینِ ادب نے التفات کے قابل نہیں سمجھا۔ اور سوائے چند مضامین کے کچھ خاص نہیں لکھا جا سکا۔ میرے مقالے کا ایک حصہ آزادی کے بعد اردو پیروڈی کے جائزے کے لئے وقف تھا۔ اس کے لئے مجھے خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میری یہ دشواری دراصل میرے اساتذہ کی بھی دشواری تھی۔ مجھے پیروڈیاں حاصل کرنے کے لئے بہت کاوشیں کرنی پڑیں۔ مختلف لائبریریوں کے چکّر لگانے پڑے۔ ملک کے مختلف مقامات سے تخلیقات حاصل کرنے کے لئے صبر آزما خط وکتابت کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ خدا خدا کر کے پیروڈیوں کا ایک انتخاب جمع ہوا۔ اور جس کا جائزہ لے کر میں اپنے نگراں واستادِ شفیق محترم پروفیسر ظہیر احمد صدیقی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمیشہ کی طرح انھوں نے اس حصّہ کا بغور مطالعہ کیا اور کچھ ہی دن میں مجھے لوٹا دیا۔ صفحات واپس کرتے ہوئے انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں پیروڈی کے ایک انتخاب پر کام کروں، ساتھ ہی ایک جامع مقدمہ بھی لکھوں تاکہ طنز و ظرافت کی اس مخصوص صنف پر معتبر کام سامنے آسکے۔ اس تشنگی کو میں بھی محسوس کر رہا تھا۔ لہٰذا استادِ محترم کی تحریک سے میں نے اُسی دن یہ کام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

محترم استاد ڈاکٹر مغیث الدین فریدی کو جب میرے اس پروجیکٹ کا پتہ چلا تو انھوں نے میری ہمت افزائی کی اور مختلف مآخذات فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہوئے۔ شعبہ کے ایک اور اُستاد محترم ڈاکٹر صادق صاحب کو جب میں نے بتایا کہ میں پیروڈی کے انتخاب پر کام کر رہا ہوں تو انھوں نے ہر طرح سے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا اور نبھایا صادق صاحب نوجوانی میں صادق موبی کے نام سے پیروڈیاں لکھتے تھے۔ انھوں نے کئی ایسی

پیروڈیاں مجھے دیں۔ جن تک پہنچنا میرے لئے ناممکن سا ہو گیا تھا۔ اُن کی چند کامیاب پیروڈیاں بھی اِن میں شامل ہیں۔ ساتھ ہی صادق صاحب کی معرفت مجھے حیدرآباد اور مہاراشٹر وغیرہ سے بھی چند پیروڈیاں ملیں جنھیں میں نے اپنے انتخاب میں شامل کر لیا۔

میرے لئے یہ لمحہ، لمحۂ نشاط کی حیثیت رکھتا ہے کہ آج میں اپنے ان تمام کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کر رہا ہوں جو میرے لئے ہر مقام پر مشعلِ راہ بنے اور میری پریشانیوں کو اپنی پریشانیاں سمجھ کر ان کا ازالہ کیا۔ محترم استاد پروفیسر ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر مغیث الدین فریدی اور ڈاکٹر صادق صاحب کی عنایتوں اور مہربانیوں کو میں اپنا حق بھی سمجھتا ہوں اور ان کا میرے تئیں خلوص و محبّت بھی۔

فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی اور خاص طور پر چیرمین محترم امیر حسن عابدی صاحب کا خصوصًا شکریہ ادا کر رہا ہوں جن کی جزوی مالی امداد کی بدولت ہی یہ کام قارئین تک پہنچ پایا۔

میرے ساتھیوں اور دوستوں میں بھائی افتخار، سہیل وحید اور احمد محمد احمد القاضی میرے لئے ہمیشہ مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ ان کی محبّتیں بھی میرے اس کام کے لئے حوصلے کا درجہ رکھتی ہیں۔ خاص کر اصغر کمال اور نجمہ رحمانی نے پروف ریڈنگ جیسے دشوار گزار مرحلے کو حُسن و خوبی سے نبھایا ہے برادرِ خورد عزیزی اظہر احمد کی محنت بھی اس کام کی تکمیل میں شامل ہے۔

مظہر احمد

تعارف

ڈاکٹر مغیث الدین فریدی ریڈر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی

"پیروڈی" کے عنوان سے مظہر احمد صاحب نے آزادی کے بعد اردو میں پیروڈی کے فن کا تنقیدی جائزہ اور پیروڈی کا ایک نمائندہ انتخاب پیش کر کے اہل ذوق کے لئے مسرت اور بصیرت کا سامان فراہم کر دیا ہے۔

پیروڈی کا فن انگریزی میں کیا تھا اور اردو میں کیا ہو گیا اس مسئلہ پر انھوں نے مختلف نقادوں کے حوالے سے پیروڈی کے مفہوم کی وسعت اور اس فن کی اہمیت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر قمر رئیس اور شوکت تھانوی نے پیروڈی کی جو تعریفیں کی ہیں اُن کو اپنے مقالے میں یک جا کرنے کا محنت طلب کام بڑے سلیقے سے انجام دیا ہے۔ اس انتخاب میں پیروڈی کے جو نمونے شامل کئے گئے ہیں اُن پر مقدمے میں تبصرہ بھی کیا گیا ہے جس سے اس انتخاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس انتخاب کے بیشتر نمونوں سے پروفیسر رشید احمد صدیقی کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ "کسی شاعر یا مصنف کی پیروڈی کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے کلام کا غیر معمولی چرچا ہے"۔ نظیر اکبر آبادی، غالب، اقبال، جوش، فیض، جذبی اختر شیرانی اور ن۔ م راشد کے اشعار کی پیروڈی مختلف شاعروں نے اپنے منفرد انداز میں کی ہے اور اپنے عہد کے مسائل کو ظریفانہ انداز میں پیش کر کے اُن سماجی کوتاہیوں کو طنز کا ہدف بنایا ہے جن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

کامیاب پیروڈی کے لئے تخلیقی صلاحیت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی ذکاوت اور زبان پر غیر معمولی قدرت شرطِ اوّل ہے۔ محمد جعفری، اور شہباز امروہوی کی پیروڈی میں جو دلکشی ہے اس کا راز یہی ہے۔ اُن کی نکتہ رس ظریف طبیعت نے پیروڈی کو خاصے کی

چیز بنا دیا ہے۔

"اسکالرز کے پیروڈی نمبر نے پیروڈی کے فن کی اہمیت کو نمایاں کیا تھا۔ مظہر احمد کی یہ تالیف اُسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ ادبی کاوش ادبی حلقوں میں مقبول ہو گی اور پیروڈی پر آئندہ جو بھی قلم اٹھائے گا اس کے لئے چراغِ راہ بنے گی۔

اس انتخاب کو منظرِ عام پر لاکر وہ بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں۔ ؎

دعائیں دیں مرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئے مرے ہمراہ منزل سے

پیش لفظ

(پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ شعبۂ اردو۔ دہلی یونیورسٹی دہلی)

※

طنز وظرافت کا موضوع جہاں اہم ہے وہاں اس میں بہت سی نزاکتیں بھی ہیں۔ یہ ایک ایسا پل صراط ہے جس کے دونوں طرف گہرے غار ہیں، ذرا قدموں کو لغزش ہو تو اس کا انجام تباہی ہے۔ اس صنف کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سماجی اور تہذیبی خامیوں کی اصلاح کے وقت اس صنف کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے۔ مگر جیسا کہ عرض کیا کہ اگر اس میں لغزش پیدا ہو گئی تو فحاشیات، پھکڑپن اور سطحیت کے پیدا ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ دوسری اصناف کے مقابلے میں اس صنف کے شہ سواروں کی تعداد کم ملے گی۔

اسی قبیلے کی ایک صنف پیروڈی بھی ہے۔ کسی سنجیدہ چیز کو مضحکہ خیز بنا دینا یا کسی راست بات کو اُلٹ پھیر (TOPSY - TURVY) کے ساتھ بیان کر دینے کو پیروڈی کہتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ پیروڈی محض الفاظ کے اُلٹ پھیر کا نام ہے۔ یہ ذہانت کا فن ہے۔ پیروڈی نگار موضوع اور الفاظ کے ساتھ ساتھ اپنے ذہنی شعور کو وابستہ کر دیتا ہے تاکہ موضوع اپنا راستہ نہ فراموش کر دے۔ یہ صنف مزاح اور طنز سے قریب ہے اور اس کی بنیادی خصوصیات میں بھی کم و بیش وہی عناصر ہیں جو طنز و مزاح میں ہوتے ہیں۔ پیروڈی میں طنزیہ شاعری کی طرح اگر مقصدیت نہیں ہے تو وہ محض چند لمحات کی دلچسپی کا سبب تو بن سکتی ہے۔ مگر افادیت سے محروم رہے گی۔ یہاں اس بات پر نظر رکھنا ضروری ہے کہ جس چیز کی پیروڈی پیش کی جا رہی ہے اس کی شکل اس قدر نہ بگڑ جائے کہ اصلی شکل کا احساس ہی مفقود ہو جائے۔ پیروڈی اور طنز وظرافت میں بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ اوّل الذکر کے سامنے کسی سنجیدہ نظم یا اس کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ اور شاعر اس پر اپنے عمل کا تجربہ کرتا ہے اور موخر الذکر کے سامنے مکمل صورت میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ بلکہ سماجی کمزوریاں اور انسانی محرومیاں ہوتی ہیں۔ اور شاعر اپنے تجربے اور احساسات سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ طنز وظرافت

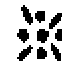
کا میدان وسیع ہے۔ جبکہ پیروڈی کو اپنے فریم ورک میں کام کرنا پڑتا ہے۔ ان دشواریوں کی بدولت جن کا ذکر ابتدائی سطور میں کیا گیا طنز و ظرافت میں دوسری اصناف کے مقابلے اعلیٰ نمونوں کی کمی رہی ہے۔ پیروڈی کا دائرہ اس کے مقابلے میں اور بھی محدود ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ میرے عزیز شاگرد مظہر احمد نے پیروڈی کے ان نمونوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے جو ادب کے اوراق پر بکھرے پڑے تھے۔ اس انتخاب کے ابتدا میں ایک طویل مقدمہ بھی ہے جو پڑھنے والوں کے لئے رہنمائی کا کام انجام دے گا۔ یہ مجموعہ بائیس ۲۲ شعرا کی اڑتالیس ۴۸ نظموں اور کچھ متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں کچھ وہ پیروڈیاں ملیں گی جن کی سماجی، تعلیمی یا تہذیبی اہمیت ہے۔ اور کچھ کو محض تفنن طبع کی خاطر لکھا گیا ہے۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مظہر احمد نے نہایت دیانت داری سے انتخاب کیا ہے۔ ذاتی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کو صرف نظر کر کے ان نظموں کو ادبی معیار سے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس مجموعہ میں کچھ معروف شعرا کے ساتھ غیر معروف شعرا بھی نظر آئیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ اہم نام نادانستہ طور پر نظر انداز ہو گئے ہوں۔ مگر اس کے ساتھ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس مجموعہ سے پیروڈی کی ایک ایسی تصویر ضرور سامنے آجائے گی جو تاریخ ادب کے لئے معاون ثابت ہوگی۔ اس کام کی اس لئے بھی اہمیت ہے کہ ہمارے ناقدین نے اس صنف کی طرف سے عام طور پر بے توجہی برتی ہے۔ مظہر احمد جب اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ " اردو شاعری میں طنز و مزاح ۱۹۴۷ء سے تاحال" کی تکمیل میں مصروف تھے تو میں نے مشورہ دیا تھا کہ اپنی تلاش و جستجو میں اس کام کو بھی شامل کر لیں تاکہ پیروڈی کا ایک اچھا انتخاب سامنے آجائے۔ یہ اساتذہ اور طلبا دونوں کے لئے مفید ہوگا۔ مجھے مسرت ہے کہ مظہر احمد نے اس نکتہ کو سمجھ لیا اور تن دہی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

ابتدا میں مقدمہ ہے۔ جس میں پیروڈی کے تاریخی تسلسل پر بحث کی گئی ہے۔ جن شعرا نے پیروڈیاں لکھی ہیں ان کے عہد کے سماجی اور تہذیبی اشارے بھی موجود ہیں۔ جس نے مقدمہ میں تجزیہ اور تبصرہ کا انداز پیدا کر دیا ہے۔ اب مقدمہ نگار نے ان عوامل کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن سے متاثر ہو کر شاعر پیروڈی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقدمہ

میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ ان مسائل پر تفصیل سے گفتگو کی جاسکے۔ مگر مقدمہ نگار نے تفصیلی گفتگو کے لئے مواد ضرور فراہم کر دیا ہے۔

مظہر احمد ان ہونہار اور سنجیدہ نوجوانوں میں ہیں جنھوں نے اردو سے رشتہ سود و زیاں کے معاملات سے الگ ہو کر جوڑا ہے۔ اس کتاب سے پہلے ان کے ایم فل کا مقالہ "جدید اردو شاعری اور خلیل الرحمٰن اعظمی" شائع ہو کر اہل ادب سے اپنی داد حاصل کر چکا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کام کی بھی پذیرائی ہوگی۔ ساتھ ہی مجھے اُمید ہے کہ اس خلفشار کے عہد میں مظہر احمد اپنا رشتہ ادب سے منقطع نہیں کریں گے اور صلہ و تحسین سے بے نیاز ہو کر وہ اپنے کام میں مصروف رہیں گے۔



مقدمہ

اردو زبان وادب میں طنز و مزاح کی روایت بہت قدیم ہے۔ اس کے سرے جہاں ایک طرف درباری زندگی اور ادبی محفلوں سے جڑے ہوئے ہیں وہیں عوامی سطح پر بھی اس کے نقوش کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ جہاں ایک طرف درباری داری میں طنز و مزاح ہجو نگاری تک محدود ہو کر رہ گیا اور شعراء کی آپسی رنجش اور چشمکوں کی بدولت رکاکت وابتذال کا انبار لگا دیا وہیں عوامی سطح پر قدرے مناسب مثالیں سامنے آئیں جن میں فنی خوبیوں اور سماجی برائیوں کو بیک وقت بروئے کار لایا گیا۔ جعفر زٹلی کی وہ شاعری جس میں جنسی موضوعات واحساسات کی بھرمار ہے۔ اگر الگ کر لی جائے تو ان کے یہاں طنز و مزاح کے بہترین نمونے تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری نے عوامی زندگی کے رس رنگ خوشیوں اور غموں کے علاوہ سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں و خامیوں پر طنزیہ وار کئے۔ اور اس طرح پہلی بار عوامی مسائل کی طرف اشخاص کا دھیان گیا۔ سوداؔ کے یہاں بھی چند اچھی طنزیہ تخلیقات سامنے آئیں۔ اور ان ہی عوامی سطح کی تخلیقات میں ایک نئی صنف طنز و مزاح کی شاعری میں داخل ہوئی جس کا نام پیروڈی ہے۔ مگر پیروڈی کی تعریف سے پہلے فن ظرافت پر نظر ڈالنا ضروری ہے ظرافت کا اصل ماخذ خندہ ہے۔ اور یہ وہ انسانی جبلت ہے۔ جسے خدا نے سوائے انسان کے کسی اور کو ودیعت نہیں کیا ہے۔ یہ بات قدرے حیرت انگیز ہے کہ انسان ہی وہ اکلوتا ذی روح ہے جسے خدا نے ہنسنے کی صلاحیت دی ہے۔ ابتدائے آفرینش میں جب انسان تہذیب و تمدن سے بیگانہ تھا تب بھی اس کے پاس ہنسنے کی صلاحیت موجود تھی۔ یہ وہ صلاحیت ہے جسے انسان اپنی ماں کے پیٹ سے لیکر پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح رونا، حیران ہونا، گھبرانا، بھاگنا، دوڑنا، ایسی خوبیاں ہیں جو ابتدا سے انسان میں تھیں۔ اسی طرح خندہ کا جذبہ بھی انسان میں موجود تھا۔ "خندہ" کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ ولیم ہیزلٹ کے مطابق خندہ کی وجہ انسان کا وہ ذہنی شعور ہے جو خارج اور باطن میں فرق محسوس

کرتا ہے اور جو ہر تجربے و عمل سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کا قول ہے کہ جب انسانی خواہشات میں کوئی رکاوٹ آتی ہے یا کوئی فعل نامکمل رہ جاتا ہے تو انسان ہنستا ہے۔ اس کے علاوہ جب انسان کی بہت معمولی خواہشات بھی پوری نہیں ہوتیں تو وہ ہنستا ہے۔ ایسی ہنسی میں طنز اور دردانگیزی پائی جاتی ہے۔ کلیم الدین احمد کے مطابق ہنسی عدمِ تکمیل اور بے ڈھنگے پن کے احساس کا نتیجہ ہے۔ انسانی زندگی امید و بیم، تمناؤں، ارمانوں اور خواہشوں کا گہوارہ ہے۔ اگر یہ تمام ضرورتیں پوری بھی ہو جائیں تو انسان اپنی جبلّت کے سبب ناتمامی کے احساس میں مبتلا رہے گا اور اسی احساس کے ردِ عمل کے طور پر بے اختیار ہنس دے گا۔ برگساں کے نزدیک ہنسی اصلاح کا کام انجام دیتی ہے۔ (شاید وہ خندہ کو طنز کے معنوں میں استعمال کرتا ہے) کوئی شخص جب دوسرے شخص پر ہنستا ہے تو دوسرا شخص اس کے نتیجے میں اپنی حرکات و سکنات اور قول و فعل پر تصحیح کی نظر ڈالتا ہے اور قابلِ اصلاح باتوں پر غور کرتا ہے۔ خندہ کی یہ خوبی قابلِ غور ہے۔ طنز نے خندہ کی اس خوبی کو اپنایا ہے اور اصلاحِ فرد و سماج کا فریضہ انجام دیا ہے۔ فرائڈ کا خندہ سے متعلق مشہور نظریہ [illegible] ہے۔ یعنی نفسی توانائیوں کی حفاظت اور کفایت۔ اس کے مطابق خندہ انسان کے تحت الشعور میں رہتا ہے۔ اور وہ نفسی توانائیوں کے خاص موقع و محل کی مناسبت کے ساتھ استعمال کئے جانے کا نام ہے۔ غرض ان تمام تشریحات سے خندہ اور اس سے پیدا ہونے والی ظرافت اور ساتھ ہی طنز اور مزاح کی خوبیوں کا خاکہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔ مزاح کا تعلق انسان کی فطری جبلّتوں سے ہے۔ اس کا مقصد محفلوں کو زعفران زار بنانا، مُردہ دلوں کو خوش کرنا، زندگی میں حرکت اور توانائی پیدا کرنا ہے۔ جبکہ طنز ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہے جس کے ذریعے ہنسی ہنسی میں کسی شخص یا سماج یا کسی شعبۂ زندگی کو "جذباتی جھٹکا" دیا جاتا ہے۔ یہ جھٹکہ وہ خامی یا کمی ہوتی ہے۔ جو متعلقہ شخص یا شعبۂ زندگی میں پائی جاتی ہے مگر اعلیٰ طنز کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس میں ترشی یا تمسخر یا مذاق اڑانے کی کیفیات نہیں پائی جاتیں۔ یہ خنجر کا ہی کام نہیں کرتا، بلکہ زخموں پر مرہم بھی رکھتا ہے۔ طنز کے لئے مزاح کا ہونا ضروری ہے۔ مزاح کی آمیزش کے بغیر طنز، طنز نہ رہ کر دشنام بن جاتا ہے۔ جو محفلوں کی برخاستگی اور دلوں کے بیچ پڑنے والی دراڑ کا سبب بنتا ہے۔

طنز اور مزاح جب ادبی ظرافت کا رُوپ اختیار کرتے ہیں تو ان کی کئی صورتیں سامنے آتی ہیں جن کی مدد سے ظریفانہ ادب منظرِ عام پر آتا ہے۔ ان ہی مختلف صورتوں میں سے ایک صورت " پیروڈی " ہے۔ جو ہمارا موضوع ہے۔ اپنی مقبولیت کی بدولت آج پیروڈی ادبی صنف کا درجہ رکھتی ہے۔ اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا جا رہا ہے۔ اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اردو شعر و ادب میں پیروڈی کی مثالیں ابتدا سے موجود ہیں۔ موجودہ دَور میں تو چند شعراء و ادیب صرف پیروڈی نگاری کی وجہ سے اپنا مقام بنا پاتے ہیں۔ یہ وہ صنف ہے جو مغرب سے مستعار لی گئی ہے۔ پیروڈی لفظ اصلاً یونانی ہے۔ جسے انگریزی نے اپنا لیا ہے۔ اردو میں بھی یہ لفظ اس مخصوص صنفِ ادب کے لئے مستعمل ہے۔ اردو میں پیروڈی کا متبادل لفظ جو اس کی معنوی و موضوعاتی خصوصیات کا احاطہ کر سکے، آج تک وضع نہیں ہو سکا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ نقادانِ فن کی بے توجہی بھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج اس کی اہمیت اور افادیت کا لوہا مانا جانے لگا ہے۔ اردو میں پیروڈی کے متبادل الفاظ مضحک نقالی، تقلید یا خاکہ اڑانا یا ہجو استعمال کئے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے علاوہ ایک اور نام ہے جو پیروڈی کے مفہوم کو کچھ حد تک پورا کرتا محسوس ہوتا ہے۔ یہ " تحریف نگاری " ہے۔ اور اکثر نقادانِ فن نے اسے قبول کر کے تنقیدی مضامین میں استعمال بھی کیا ہے۔ مگر لفظِ پیروڈی ہی وہ لفظ ہے جو نہ صرف اس صنف کے لئے مشہور ہو چکا ہے، بلکہ قابلِ قبول بھی ہے آج یہ لفظ اردو زبان میں اتنا گھل مل گیا ہے کہ اُسے اردو کا لفظ تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ ساتھ ہی لفظ کے زبان سے ادا ہونے کے ساتھ ہی ذہن اس کے معنوں اور صنف کی طرف تیزی سے رجوع ہوتا ہے۔ لہٰذا اب اس لفظ کو اپنا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یوں بھی مضحک نقالی، تقلید، ہجو یا تحریف نگاری، پیروڈی کے مفہوم کو پوری طرح ادا نہیں کرتے۔

صنفِ پیروڈی کیا ہے۔ اس کی تعریف اور ادبی اہمیت کیا ہے۔ اور اس میں کون کونسی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ان امور کی طرف رجوع کرنے سے پہلے ہمیں معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ لفظِ پیروڈی کی اصل کیا ہے۔ لفظِ پیروڈی یونانی زبان سے ماخذ ہے اور جس کے معنی ہیں یا نغمہ معکوس یا جوابی نغمہ۔ یہ یونانی لفظ " پیروڈیا " سے لیا گیا ہے۔

یونانِ قدیم میں پیروڈیا ایسے نغمے یا گیت کو کہا جاتا تھا جو کسی گاتے ہوئے گیت کی سنجیدگی اور نغمے کی مقدس فضا اور اس کے سحر آفریں تاثر کے جادو کو توڑنے کے لئے گایا جائے۔ ظاہر ہے کہ سحر آفریں تاثر کو توڑنے کے لئے سنجیدگی میں مزاحیہ رنگ کی آمیزش ہی سب سے کارآمد ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدیم یونان میں سنجیدہ نغموں کو مضحک پیرائے میں بدل دینے کے فن کو پیروڈیا کہا جاتا تھا۔ ایسے نغمے اکثر وہ گیت ہوتے تھے جو جنگوں کے دوران نغمہ سرا فوجوں میں جوش و جذبہ پیدا کرنے کے لئے گاتے تھے۔ جنگ کے بعد اکثر اشخاص ان نغموں کو الفاظ کے ردّ و بدل کے ساتھ مزاحیہ رنگ پیدا کرتے تھے۔ اور اپنی خشک اور خوفناک زندگی میں کیف و سرور کے چند لمحے پالیا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ پیروڈی کا یہ چلن عام ہوتا گیا اور اس نے ادبی حیثیت اختیار کرلی۔

ان امور کی روشنی میں ہم پیروڈی سے ایسی صنف سخن مراد لیتے ہیں جس میں کسی ادب پارے کی ادبی نقالی کی جائے اور مخصوص ادب پارے سے مخالف جذبات کو تحریک ملے ـــــ یعنی کلام ظریفانہ ہو جائے۔ اس کے لئے پوری تصنیف کی کورانہ تقلید ہی کافی نہیں ہوتی اور نہ ہی ایسی تخلیق پر پیروڈی کا اطلاق ہوتا ہے۔ بلکہ الفاظ و مفہوم کی ایسی اُلٹ پلٹ کہ اس کا اثر مضحک یا ظریفانہ ہو جائے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے پیروڈی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :-

> "پیروڈی یا تحریف کسی تصنیف یا کلام کی ایک ایسی لفظی نقالی کا نام ہے جس سے اس تصنیف یا کلام کی تضحیک ہوسکے۔ اپنے عروج پر اس کا منتہا ادبی یا نظریاتی خامیوں کو منظرِ عام پر لانا ہوتا ہے۔"[۱]

ساتھ ہی پروفیسر رشید احمد صدیقی کی تعریف بھی ملاحظہ فرمائیں :-

> "پیروڈی میں جدت اور جودت کا ہونا ضروری ہے۔ اصل کی نقل اس طور پر کرنا یا اس میں ظرافت کا پیوند لگانا کہ تھوڑی دیر کے لئے نقاب یا پیوند کی تفریحی حیثیت اصل کی سنجیدہ حیثیت کو دبا دے، پیروڈی کا ہنر ہے۔"[۲]

---

۱ اردو ادب میں طنز و مزاح ڈاکٹر وزیر آغا ص ۵۲

۲ اسکالر پیروڈی نمبر کچھ پیروڈی کے بارے میں رشید احمد صدیقی ص ۱۰

دونوں حضرات کے نزدیک کسی تصنیف کی نقل جس کا نمونہ اصل سے ملتا جلتا ہو، اور صرف الفاظ میں ردّ و بدل کی جائے اور جس سے ہماری حسِ مزاح کو تقویت ملے' پیروڈی ہے۔ اس طرح کی پیروڈی صرف تفریح اور تفننِ طبع کے لئے کی جاتی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ہنسی کے جذبات کو تحریک دینا ہوتا ہے۔ یہ اصل مضمون کا مضحکہ خیز چربہ اُتارتی ہے۔ اچھی پیروڈی کے لئے ضروری ہے کہ جس تصنیف کی پیروڈی کی جارہی ہو وہ بہت مشہور ہو اور اعلیٰ درجہ کی ہو یا کسی مشہور تخلیق کار سے منسوب ہو۔ رشید احمد صدیقی کا خیال ہے کہ کسی شاعر یا مصنف کی پیروڈی کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے کلام کا غیر معمولی چرچا ہے ـــــ بقول آل احمد سرور اس میں اسلوب کے ساتھ ساتھ فکری اور فنی محور ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے کلام کی طرف پیروڈی نگار متوجہ ہوگا جو غیر معمولی طور پر مقبول ہو۔ اور جسے عام قارئین بھی اچھی طرح جانتے ہوں۔ لہٰذا پیروڈی کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ اصل تصنیف اعلیٰ و عمدہ ہو۔ اس سے پیروڈی پڑھتے وقت اصل تصنیف خود بخود سامنے آجاتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ پیروڈی قارئین کے لئے قابل قبول ہوجاتی ہے۔ قارئین کی نظر جلد ہی پیروڈی پر پڑنے لگتی ہے اور وہ ایک بڑے ادب پارے کی پیروڈی سے محظوظ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اصل تصنیف کو سامنے رکھنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

پیروڈی کی یہ تعریف مکمل نہیں ہے۔ البتہ ایک قسم کی پیروڈیوں کا اطلاق مندرجہ بالا تعریف پر کیا جاسکتا ہے۔ اصل پیروڈی کا تعلق تنقید سے ہے۔ یہ تنقید کی سب سے لطیف اور موثر صنف ہے۔ پیروڈی کے ذریعے ہنسی ہنسی میں ایسی تنقید ممکن ہوجاتی ہے جو عام حالات میں شاید قابل قبول نہ ہو۔ کسی ادب پارے میں بڑھتی ہوئی جذباتیت، کسی خاص اسلوبِ بیان کی مخالفت، یا انفرادیت کی جذباتیت پیروڈی کا شکار ہوسکتے ہیں۔ آل احمد سرور کے خیال کے مطابق پیروڈی انفرادیت کو آسیب بنا کر پیش کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انفرادیت کو آسیب بنانے میں اس انفرادیت میں چند تبدیلیاں کر دینا کافی ہوگا۔ اسی طرح ڈاکٹر قمر رئیس کے نزدیک پیروڈی کی بنیاد شعر و ادب کا کوئی خاص اسلوب، رجحان یا کوئی اہم فن پارہ ہوتا ہے۔ پیروڈی اس کی کمزوریوں کو عیاں کرتی ہے۔ وہ معاصر ادیبوں و شاعروں کے یہاں پائی جانے والی

بے اعتدالیوں کو روکتی اور ان میں توازن پیدا کرتی ہے۔ ساتھ ہی شعرا کے اندازِ تحریر یا اسلوب کا چربہ اُتارنا بھی پیروڈی کا مقصد ہوتا ہے۔ اسی لئے پیروڈی نگار کے لئے فنی اسالیب کی ماہرانہ بصیرت اور شعر و ادب کا اچھا مذاق جیسی صلاحتیں ہونی ناگزیر ہیں۔ اگر پیروڈی نگار میں یہ صلاحتیں نہیں ہیں تو وہ پیروڈی کے فن کا حق ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔ ان تمام امور کو ظفر احمد صدیقی نے یکجا کر کے پیروڈی کی تعریف کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

" پیروڈی کا اطلاق صحیح طور پر اس ادبی تقلید پر ہوگا جس میں مصنف کسی طرزِ نگارش یا طرزِ فکر کی کمزوریوں کو یا ان پہلوؤں کو جن کو وہ کمزور سمجھتا ہے، نمایاں کرنا چاہتا ہے۔ اس لحاظ سے پیروڈی تنقید کی ایک لطیف قسم ہے۔ مگر بعض اعتبارات سے عام تنقید سے زیادہ مؤثر اور کارگر۔"[۱]

یہاں پہنچ کر پیروڈی کا کینوس قدرے وسیع ہوجاتا ہے۔ اب اس کا مقصد تفریح کے مواقع فراہم کرنا، تخلیق یا تخلیق کار کا مذاق اُڑانا نہیں رہ جاتا، بلکہ اس کا تانا بانا تنقید سے جُڑ جاتا ہے۔ اور تنقید بھی وہ جو بلا کی تاثیر رکھتی ہے۔ یہاں پہنچ کر پیروڈی میں طنز کی وہ اعلیٰ خوبی آجاتی ہے۔ جسے اصلاح کے لفظ سے پہچانا جاسکتا ہے۔ پیروڈی کی اصلاح کا محور زیادہ تر ادبی رجحانات اور اسلوبِ بیان کے اردگرد رہتا ہے۔ اس کے علاوہ لفظی پیروڈیوں میں سیاست و سماج اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی پر بھی کڑی تنقید کی جاسکتی ہے۔ اور کی گئی ہے مجید لاہوری اور سید محمد جعفری کی پیروڈیاں اس کی عمدہ مثال ہیں۔ مگر ادبی رجحانات اور اسلوبِ نگارش کا خاکہ اُڑانے میں فرقت کاکوروی کی پیروڈیاں پیش پیش رہی ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔ ڈاکٹر قمر رئیس پیروڈی میں اصلاح کے درجے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر قسم کی انتہا پسندی اور بے لگامی کو قابو میں لانے کا فن ہی پیروڈی کا فن ہے۔ اس کے ذریعے کسی فن پارے یا تخلیق کار کے یہاں بڑھتی ہوئی جذباتیت کو نشانۂ ہدف بنایا جاسکتا ہے۔ تفریح کے ساتھ ساتھ اصلاحی نقطۂ نظر رکھنے والی یہ صنف سماج اور اس کے

---

[۱] طنز و مزاح تاریخ و تنقید طاہر تونسوی مضمون :- پیروڈی اردو ادب میں از پروفیسر ظفر احمد صدیقی ص ۱۴۵-۱۴۶

رموز و علائم سے بھی نبرد آزما ہوسکتی ہے۔ اس کے ذریعے سماج کے بکھرے ہوئے تصور، زندگی کی خامیوں اور کمیوں کو بھی اجاگر کیا جاسکتا ہے۔ اور ہنسی ہنسی میں طنز کے تیر برسائے جاسکتے ہیں ساتھ ہی یہ ادبی کمزوریوں کو بھی واضح کرتی ہے۔

پیروڈی نگار جس ادب پارے کی پیروڈی کرتا ہے اس سے اس کا تعلق ہمدردانہ ہونا چاہیئے۔ تب ہی وہ توازن برقرار رکھ سکے گا۔ اگر یہ ہمدردانہ رویّہ نہ ہوا تو پیروڈی نقالی اور حقارت آمیز جذبے سے ہم آہنگ ہو کر اپنی اہمیّت کھو بیٹھے گی۔ آل احمد سرور نے درست کہا ہے کہ پیروڈی میں بدنیتی کی گنجائش نہیں۔ اگر پیروڈی نگار میں بدنیتی ہوگی اور ذاتی بغض و عناد نمایاں ہو جائے گا تو پیروڈی کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیروڈی نگار جس ادیب یا شاعر کی پیروڈی کر رہا ہے وہ اسے پسند کرتا ہے۔ وہ اس کے اسلوب اور اسٹائل کا دیوانہ ہے۔

پیروڈی کا فن بہت نازک فن ہے۔ اس کی مثال پل صراط پر چل رہے شخص سے دی جاسکتی ہے کہ اگر ذرا بھی قدم ڈگمگائے تو جہنم کی آگ اسے اپنے آغوش میں لے لیگی اور اگر توازن قائم رہا تو جنت اس کی منتظر ہوگی۔

رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں :۔

"اعلیٰ پائے کی پیروڈی اتنی ہی قابلِ قدر ہوتی ہے۔ جتنی کہ وہ عبارت یا شعر جس کی پیروڈی کی گئی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پیروڈی کا فن کس ذہانت اور ذکاوت کا طلب گار ہے"[۱]

رشید احمد صدیقی صاحب نے اپنے اس قول کی وضاحت کے لئے بازی گر اور مسخرے کی مثال پیش کی ہے۔ جس سے پیروڈی نگار کی اہمیت او رخصوصیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہاں اسے نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :۔

"آپ نے سرکس میں مسخرے کو دیکھا ہوگا وہ اپنے ساتھی بازی گر نمبر ایک کے

---

[۱] اسکالر پیروڈی نمبر مضمون :۔ کچھ پیروڈی کے بارے میں از رشید احمد صدیقی ص ۱۰

کرتب کی نقل کرتا ہے۔ وہ اپنے طور پر وہی سب دکھاتا ہے جو بازی گر دکھاتا ہے۔ دونوں کے دکھانے میں صرف تکنیک کا فرق ہے۔ ایک کے کرتب پر آپ محوِ حیرت رہ جاتے ہیں دوسرے کی نقل پر ہنستے ہنستے لوٹ جاتے ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہوگا کہ مسخرا فن کے اعتبار سے نہ صرف یہ کہ بازی گر کا ہمسر ہوتا ہے بلکہ بازی گر پر اس کو یہ فوقیت حاصل ہوتی ہے کہ جو کرتب بازی گر جان کو خطرے میں ڈال کر دکھاتا ہے۔ مسخرا محض چند قلابازیوں میں دکھا دیتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ہم بازی گر کے کرتب کا جس شوق سے مشاہدہ کرتے ہیں اس سے کسی طرح کم شوق سے مسخرے کی قلابازیوں کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ یہاں غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جس کرتب کو بازی گر اپنی جان خطرے میں ڈال کر دکھاتا ہے۔ اسی کو مسخرا اپنی آبرو خطرے میں ڈال کر دکھاتا ہے۔ مسخرے کی آبرو کسی غیر مسخرے کی آبرو سے کم نہیں ہوتی۔"[1]

رشید صاحب نے مخصوص طرزِ نگارش میں بڑے پتے کی بات لکھ دی ہے جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا کہ پیروڈی نگاری کا فن بہت نازک ہے۔ رشید صاحب بھی اس کی نزاکت کو سمجھتے ہیں اور مسخرے کے بہترین کرتب پر ہنسنے والے قارئین کی توجہ اس کے اعلیٰ فنکار ہونے کی طرف دلاتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ مسخرے یا جوکر اکثر اوقات اصل بازی گروں سے زیادہ اچھے اور کامیاب فن کار ہوتے ہیں۔ مگر وائے قسمت کہ سامعین جوکر پر صرف نگاہِ غلط انداز ہی ڈال پاتے ہیں جبکہ اس کے مسخرے پن میں پوشیدہ صلاحیتوں پر ان کی نظر کم ہی جاتی ہے۔ یہی حال پیروڈی نگار کا ہوتا ہے۔ پیروڈی نگار کی شخصیت، اصل تخلیق کار یا مصنف سے کسی طرح کم نہیں ہوتی، مگر جب پیروڈی پڑھی جاتی ہے تو نقل کے بجائے اصل کی طرف ذہن رجوع ہوتا ہے۔ اور اس طرح پیروڈی نگار کی صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ مگر اس سے ہمارا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ پیروڈی نگار کامیاب تخلیق کار نہیں ہوتا، بلکہ ہم تو بات کو آگے بڑھا کر

---

[1] اسکالر پیروڈی نمبر مضمون:۔ کچھ پیروڈی کے بارے میں از رشید احمد صدیقی ص ۱۱-۱۰

یہاں تک کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ پیروڈی کا رُتبہ اصل تصنیف سے کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے اور یہی اچھی پیروڈی کی پہچان ہے ۔

پیروڈی نگار کو زندگی کے تمام شعبوں پر گہری نظر رکھنی چاہیئے تاکہ وہ اپنے ذہن وشعور میں تنقیدی صلاحیت پیدا کرے اور پیروڈی لکھتے وقت اس کو بروئے کار لائے ۔ ساتھ ہی فن پر اس کی پوری گرفت ہونا بھی ضروری ہے ۔ تاکہ وہ ایک کامیاب تخلیق کار ہونے کا دعویدار ہوسکے اور وہ اس لئے کہ پیروڈی اپنے فن کار سے ان صلاحیتوں کی طالب ہوتی ہے ۔ جو فنی چابکدستی اور مہارتِ زبان وادا سے متعلق ہیں ۔ الفاظ کے اُلٹ پھیر کا مکمل شعور بھی پیروڈی نگار کے لئے ضروری ہے ۔ الفاظ کا برمحل استعمال اور ذومعنی الفاظ کے ذریعے ابہام پیدا کرنے کی صلاحیت، رعایتِ لفظی وغیرہ سے بھی پیروڈی نگار کی مہارت کی حد تک جان پہچان ضروری ہے ۔ سلیمان اطہر جاوید پیروڈی نگار کے لئے جرأتِ رندانہ کو لازمی قرار دیتے ہیں ۔ اس لئے کہ پیروڈی نگار ان قدروں پر ضرب لگاتا ہے ۔ جن کا تعلق عوامی جذبات سے ہوتا ہے اور جنھیں عوام میں مقبولیت حاصل ہوتی ہے ۔ لہٰذا پیروڈی کرنے سے پہلے پیروڈی نگار میں جرأت وہمت کا ہونا بہت ضروری ہے ۔ مگر اس جرأت میں اعتدال ہونا چاہیئے ۔ کہ اگر اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تو پیروڈی میں ذاتی بغض وعناد جیسی خرابیاں درآئینگی پیروڈی نگار کا محتاط ہونا بہت ضروری ہے ۔ اگر احتیاط نہ رہی تو پیروڈی بے ہودگی اور ابتذال کی حد تک پہنچ جائے گی اور ایک بھونڈی اور بدشکل نقل بن کر رہ جائے گی ۔ ڈاکٹر قمر رئیس پیروڈی میں مواد کے ساتھ ساتھ ایک قسم کی ادبی عیاری کو بھی اہمیت دیتے ہیں ۔ ان کے الفاظ ہیں :-

> "مواد کے ساتھ ہی عیاری پیروڈی کار کے تخیل کے ساتھ ساتھ اس کے فکر وشعور کو بھی آزادی دیتی ہے اور اس بہانے وہ پیروڈی میں اپنے عہد کی زندگی، بدلتی ہوئی قدروں اور معاشرتی وسیاسی حالات کو بھی طنز وتضحیک کا ہدف بنا سکتا ہے ۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اسے اس اسلوب یا فن پارے کی ہئیت اور موڈ کے ساتھ پوری وفاداری برتنا ہوگی جس کو اس نے سامنے

رکھا ہے۔ اسی لئے کامیاب پیروڈی کا معیار یہ قرار دیا گیا ہے کہ اسے پڑھ کر قاری خود پتہ لگالے کہ اس آئینہ میں کس کا خاکہ اُڑایا جار ہا ہے ''۔ [1]

یہی فنکارانہ عیاری پیروڈی نگار کو پیروڈی کے فن میں دوام بخشتی ہے۔ نقل میں اصل کو اس طرح پیش کرنا کہ امتیازی خصوصیات کے ساتھ ساتھ تصنیف مضحکہ خیزی اختیار کر جائے پیروڈی کی پہچان ہے۔ پیروڈی میں نقل اصل سے جتنی نزدیک ہوگی اتنی ہی وہ قابلِ مضحک قرار دی جائے گی۔ یعنی اصل کی میکانکی نقل اتارنا یا اسے اس طرح پیش کرنا کہ اس کی خامیاں بھی ابھر کر سامنے آجائیں اور اس عمل کا مقصد اصلاح و تنقید ہو، پیروڈی کی خصوصیات ہیں۔

جہاں تک پیروڈی کی اقسام کا تعلق ہے انھیں ہم دو مخصوص اقسام میں بانٹ سکتے ہیں:

۱۔ لفظی پیروڈی (تفریحی)

۲۔ معنوی پیروڈی (موضوعاتی)

لفظی پیروڈی سے ایسی پیروڈی مراد لی جا سکتی ہے۔ جس میں پیروڈی نگار کا سارا زور الفاظ کے اُلٹ پھیر کی طرف رہے اور جس کا اصل مقصد تفریح طبع ہو۔ یعنی کسی تخلیق میں چند لفظی تبدیلیوں کے ذریعے اس کے مزاج کو مذاحیہ رنگ دے دینا۔ ایسی پیروڈیوں کا رُخ اکثر و بیشتر مزاح کی طرف رہتا ہے۔ لفظی پیروڈی کے لئے ضروری ہے کہ جس ادب پارے کی پیروڈی کی جائے وہ عوام میں بہت مقبول ہو اور شاعر بھی مقبولیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔ مثلاً عاشق محمد غوری کی، اقبال کی نظم "ہمدردی" کی پیروڈی اس قسم کی پیروڈی کی عمدہ مثال ہے۔

گوشے میں کسی کھنڈر کے تنہا ؛ مُلّا تھا کوئی اُداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی ؛ جوئیں چُننے میں دن گذارا
پہنچوں کس طرح اب مکاں تک ؛ ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سُن کے مُلّا کی آہ و زاری ؛ اُلّو کوئی پاس ہی سے بولا

---

[1] تلاش و توازن پروفیسر قمر رئیس مضمون :۔ پیروڈی کا فن ص ۱۵۵-۱۵۴

حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے ÷ احمق ہوں اگر میں تم ہی سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری ÷ میں پیش اپنا گھونسلہ کروں گا
اللہ نے مجھ کو دی ہے منزل ÷ اک رات یہیں کرو بسیرا
اُلّو ہیں وہی جہاں میں اچھے ÷ آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ظاہر ہے کہ اس نظم میں شاعر نے اصل تصنیف کے "متن" کو چند لفظی تبدیلیوں کے ذریعہ مضحک بنا دیا ہے۔ اور پوری نظم کا مقصد صرف اسی مضحک صورتِ حال سے فائدہ اٹھانا اور تفریح کرنا ہے۔ لفظی پیروڈی کی مثال کسی تصویر کو بگاڑ کر اسے کارٹون بنا دینے سے دی جاسکتی ہے۔ یہ اصل تصویر کی کارٹون شکل ہوتی ہے۔ یہ کارٹون ایسا ہوتا ہے جس میں اصل کا شائبہ بھی رہتا ہے۔ اس کی مثال دنیا کے بڑے لیڈروں کے کارٹون ہیں۔ جن میں وہ بخوبی پہچان لئے جاتے ہیں۔ لفظی پیروڈی میں بھی اصل تصنیف آسانی سے پہچان لی جاتی ہے۔

معنوی پیروڈی میں الفاظ کے ردّ و بدل کے ساتھ ساتھ اصل تصنیف کی معنویت بھی بدل جاتی ہے ـــــ ایسی پیروڈیاں کسی اسلوبِ نگارش یا ادب میں بڑھتی ہوئی جذباتیت کے خلاف طنز کا درجہ رکھتی ہے اور ساتھ ہی کسی خاص سیاسی و سماجی بُرائی پر طعنہ زن ہوتی ہیں۔ ایسی پیروڈیوں کو موضوعاتی پیروڈیاں کہا جاسکتا ہے۔ جہاں تک سیاسی و سماجی اصلاح کا تعلق ہے۔ مجید لاہوری اور سید محمد جعفری کی پیروڈیاں اس کی عمدہ مثال ہیں۔ یہاں مجید لاہوری کی پیروڈی "لیڈری" سے دو بند ملاحظہ فرمائیں۔ جو نظیر اکبر آبادی کی نظم "مفلسی" کی پیروڈی ہے۔

مِل اور زمین الاٹ کراتی ہے لیڈری ÷ اور کوٹھیوں پہ قبضہ جماتی ہے لیڈری
لنچ اور ڈنر مزے سے اُڑاتی ہے لیڈری ÷ غم ساتھ ساتھ قوم کا کھاتی ہے لیڈری
فرصت ملے تو ٹور پہ جاتی ہے لیڈری

ہم لوگ زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں ÷ ووٹوں کی بھیک لینے جب وہ چل کے آتے ہیں
دے دے کے ووٹ ہم انھیں لیڈر بناتے ہیں ÷ کرسی پہ بیٹھ کے وہ ہمیں بھول جاتے ہیں
پھر دُور ہی سے جلوہ دکھاتی ہے لیڈری

ظاہر ہے کہ یہاں موضوع اور معنویت دونوں کو یکسر تبدیل کر دیا گیا ہے اور بات "مفلسی" کے بجائے "لیڈری" تک جا پہنچی ہے۔ مجید لاہوری نے پیروڈی کے اس اعلیٰ مقصد کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ جس کا ذکر ہم نے پچھلے صفحات میں کیا اور جو لطیف ترین تنقید ہونے سے متعلق ہے۔ اس نظم میں لیڈرانِ قوم اور ان کے قول و عمل میں پائے جانے والے تضاد کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

موضوعاتی پیروڈیوں کی ایک قسم ان پیروڈیوں سے متعلق ہے۔ جن میں اسلوبِ نگارش یا جذباتیت کو نشانۂ طنز بنایا جاتا ہے۔ ترقی پسند نظموں اور جدید نظموں میں بڑھتی ہوئی جذباتیت اور مخصوص ڈکشن پر تنقید کے لئے فرقت کاکوروی نے ان نظموں کی کامیاب پیروڈیاں لکھی ہیں اور چونکہ ان کی یہ کوشش بڑھتی ہوئی جذباتیت اور نظمِ معرّا کے خلاف رہی ہے۔ لہٰذا پیروڈیوں کے موضوع کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی اس اسٹائل کی، جس کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ ایسی پیروڈیاں معنوی یا موضوعاتی پیروڈیوں کے ذیل میں لائی جا سکتی ہیں۔
فرقت کی پیروڈی "کبابی" ملاحظہ فرمائیں جو انھوں نے ن۔م۔ راشد کی نظم "شرابی" کی، کی ہے۔ ؎

آج میں پتّوں کو چاٹ آیا ہوں
دیکھ کر سیخیں مجھے شعلہ بداماں ہو گئیں
چاٹ کر دوکان کے پتّے تمام
شکر کر اے خاکروب
اس حماقت پر کوئی نادم ہو میں نادم نہیں
ورنہ اک سیخ کبابِ ناتواں
کیا بجھا سکتی تھی میرے پیٹ کی دوزخ کی آگ
صبح سڑ جاتی نہ وہ
رات کھا جاتا جو میں
سیخ رنگیں کے بجائے

ایک موٹی مچھلی والوں کی رہو؟
شکر کراے خاکر دب
چاٹ کر دو کان کے پتے تمام
ایک لقمہ بھی ہضم کرنے کے میں قابل نہیں

یہاں فرقت کا کوروی کا مقصد مضحک نقالی ہی نہیں ہے بلکہ جدید نظم کی بڑھتی ہوئی جذباتیت کے خلاف صف آرا ہونا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موضوع کے بجائے سارا زور اس بات پر صرف کیا گیا ہے کہ جدید نظم کے ڈکشن کی برائیاں سامنے لائی جائیں۔ ایسی پیروڈیاں بھی تنقید کا درجہ رکھتی ہیں۔ غرض یہ چند مثالیں ہیں جن کی بدولت پیروڈیوں کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اردو شاعری کی تاریخ میں پیروڈی کے نقوش ابتداءً اودھ پنچ کے شعرار کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ اودھ پنچ کو یہ فوقیت حاصل رہی ہے کہ اسی کے ذریعے پہلی بار طنز و مزاح کی اہمیت کو سمجھا گیا اور اس کی سیاسی و سماجی بصیرت کو پرکھنے کے بعد اسے قوم کے زوال اور ذہنی پستی کے خلاف صف آرا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اودھ پنچ ہی کے ذریعے طنز و مزاح کی مختلف ہیئتوں کے صحیح خد و خال بھی مرتب ہوئے۔ مزاحیہ ناول نگاری کی ابتدار بھی اسی کے ذریعے ہوئی۔ سرشار اور منشی سجاد حسین کے مزاحیہ ناول (قسط وار) اسی اخبار کے ذریعے منظرِ عام پر آئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مزاحیہ شاعری کے صحیح نقوش بھی اودھ پنچ کے صفحوں پر اُبھرے اکبر الٰہ آبادی کا تعلق بھی اسی اخبار سے تھا جو طنز و مزاح کی تاریخ میں کلاسک کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کا فن طنز و مزاح کے تقاضوں کو جدید پس منظر میں جانچنے اور استعمال کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ انھوں نے طنز و مزاح کے بظاہر حقیر اور دوسرے درجے کے فن کو ادبِ عالیہ میں جگہ دلانے میں اہم رول ادا کیا۔ ان سب کارناموں کے علاوہ اودھ پنچ کا ایک اور کارنامہ پیروڈی کی ابتدار سے متعلق ہے۔ سب سے پہلے اسی اخبار کے ذریعے اس نئی صنف کو فروغ

ملا اور اودھ پنچ کے لکھنے والے تقریباً تمام شعراء نے اساتذہ کے اشعار کی اچھی وکامیاب پیروڈیاں لکھیں جسے وہ تحریف نگاری کہتے تھے۔ مگر ان کی یہ کوششیں ابتدائی ہونے کی وجہ سے پیروڈی کے فن پر پوری نہیں اترتیں۔ اکثر وہ کسی مشہور شعر کے مصرعۂ اول کو تبدیل کرکے اس میں مزاحیہ رنگ پیدا کرنے کی کوشش کو پیروڈی کہتے ہیں۔ اس قسم کی پیروڈیوں میں فارسی کے اشعار کی پیروڈیاں خاصی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مرزا غالب اور نظیر اکبرآبادی کی غزلوں و نظموں کی پیروڈیاں بھی اودھ پنچ میں ملتی ہیں۔ ان پیروڈیوں سے جہاں ایک طرف شعرائے اودھ پنچ کی فنی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے وہیں پیروڈی سے ان کے لگاؤ کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

اودھ پنچ کے بانی منشی سجاد حسین جو بنیادی طور پر نثر نگار تھے، کے یہاں چند شعری پیروڈیاں بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔ وہ اساتذہ کے اشعار میں خاصا پھیر بدل کرتے ہیں۔ جبکہ پیروڈی کی خوبی کم سے کم تغیر میں پنہاں ہے۔ یہاں دو اشعار ملاحظہ فرمائیں :-

ہوئے پنچ کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق درِ گڈھا
وہیں رہتے مثلِ مینڈک، وہیں غائیں غائیں کرتے

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں رسن
دو ایک ہاتھ چاہ میں جب ڈول رہ گیا

موصوف کی یہ کوشش پیروڈی کی ابتدا اور تاریخ میں اہمیت کی حامل ہیں۔ ان پیروڈیوں کا مقصد خالص مزاح پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا اشعار میں مزاحیہ رنگ دینے کے لئے الفاظ میں بھاری تبدیلیاں جائز سمجھی جا سکتی ہیں۔ منشی سجاد حسین کے علاوہ چند دوسرے شعراء نے بھی پیروڈیاں لکھی ہیں۔ ان میں تربھون ناتھ ہجر اور مرزا مچھو بیگ ستم ظریف کی کوششیں قابل ستائش ہیں۔

میرے ساتھی چاند کا چھینٹا پلا ❊ کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا
مزا کرکرا ہو گیا دے جرس ❊ ندارم غیر از تو فریاد رس (تربھون ناتھ ہجر)

نظر پڑا ایک پیرِ نیچر نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو سو برس کی یہ قہر آفت، غضب خدا کا
سفید داڑھی پہ کالا جوتا اور اس پہ طرّہ وہ سرخ ٹوپی
بدن پہ جاکٹ، گلے میں پٹی سے عالم اس پر ہے اک بلا کا
جو دے کے لکچر وہ مانگے چندا تو احمقوں کی کترے جیبیں
کہے جو ایسپیچ بے وقوفوں پہ جال پھیلائے وہ دغا کا

(مرزا مچھو بیگ ستم ظریف)

ستم ظریف کی مندرجہ بالا پیروڈی قابلِ غور ہے۔ دراصل یہ نظیر اکبر آبادی کی مشہور غزل کی پیروڈی ہے۔ مگر اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ پیروڈی کا موضوع طنز ہے۔ اور وہ بھی سرسید کی ذات پر۔ یہاں آکر پیروڈی کی وہ خوبی سامنے آجاتی ہے کہ وہ تنقید کی سب سے لطیف مثال ہے۔ اور اودھ پنچ چونکہ سرسید کے خلاف منظم طور پر صف آرا تھا (یہ بحث ہمارے موضوع میں شامل نہیں کہ سرسید کی راہ درست تھی یا اُن کے مخالفین کی) لہٰذا ان کا مذاق اڑانے میں اودھ پنچ اور اس کے مصنفین پیش پیش رہے۔ ایک نئی صنف کے ذریعے بھی ان کو نشانۂ طنز بنانے کی کامیاب کوشش کی گئی۔ اکبر الٰہ آبادی کے کلام میں یوں تو پیروڈی کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ مگر جتنی بھی ہیں وہ ان کے مخصوص طرزِ نگارش اور طنز کے اعلیٰ معیار پر پوری اُترتی ہیں۔ ساتھ ہی ان کے نظریے کی تبلیغ کرتی نظر آتی ہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل پیروڈی :۔

پہن لے سایہ مری جان اُتار کر پشواز ؏ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

اودھ پنچ کے شعرا کی یہ چیدہ چیدہ کوششیں نقوشِ اوّل کہے جا سکتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر تخلیقات کی نوعیت مزاحیہ سیّال مادّے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا پیروڈی کے فن پر ان کو جانچنا مناسب نہیں۔ مگر یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہی سیّال مادّہ آگے چل کر ٹھوس شکل اختیار کرنے والا تھا۔ اور اس کے بطن سے پیروڈی کے صحیح نقش و نگار بننے والے تھے۔ لہٰذا ان ابتدائی کوششوں کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ آزادی کے بعد اردو پیروڈی نے تیزی سے فروغ پایا اور شاعرانِ طنز و مزاح کے ساتھ ساتھ چند سنجیدہ شعرا نے بھی اس نئی صنف میں طبع آزمائی کی۔

پیروڈی کے فروغ کی ایک وجہ وہ محفلیں تھیں جو اکثر شعرا وادیبوں کے گھروں پر ہوتی تھیں اور جن میں شعرا ایک دوسرے کی غزلوں و نظموں کی پیروڈیاں کہتے تھے۔ مثلاً عبدالحمید عدم کے شعر ؎

شایدمجھے نکال کے پچھتا رہے ہیں آپ ؎ محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں

کی پیروڈی پنڈت ہری چند اختر نے دوستوں کی ایک محفل میں یوں کی ؎

شاید مجھے نکال کے کچھ کھا رہے ہیں آپ ؎ محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں

یہاں شعر میں معمولی تبدیلی سے اختر صاحب نے اس کی پوری معنویت کو بدل دیا ہے۔ مفہوم شعر یکسر بدل گیا ہے۔ اور یہ اتنا برجستہ اور پُر مزاح ہے کہ ہنسی روکنا مشکل ہے۔

ترقی پسند تحریک کی مقبولیت اور اس کی سیاسی سماجی بصیرت کے پیش نظر شعرا، فنِ طنز و مزاح سے قریب آئے۔ نقادانِ فن نے طنز و مزاح کی اصلاحی نوعیت پر زور دیا۔ لہٰذا شعرا اس طرف متوجہ ہوئے۔ طنز و مزاح کی سیاسی و سماجی بصیرت اور اصلاح کی صلاحیتوں نے بھی ترقی پسندوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ لہٰذا طنز و مزاح کی پذیرائی کی جانے لگی۔ ان ہی دنوں ادب مغربی اصول و نظریات سے بھی متاثر رہا۔ جہاں طنز و مزاح اور پیروڈی کی جاندار روایت موجود تھی۔ اسی لئے اس تحریک کے زیر اثر طنز و مزاح نے ترقی شروع کی۔ مغربی ادب میں پیروڈی خاصی مقبول صنف رہی تھی۔ اور جس سے سیاست و سماج پر تنقیدی و اصلاحی وار کئے جا رہے تھے۔ لہٰذا ہمارے شعرا نے بھی بڑی تعداد میں اس صنف میں طبع آزمائی شروع کی۔

آزادی کے بعد کا دور اردو پیروڈی کی تاریخ کا سنہری دَور کہا جا سکتا ہے۔ اب پیروڈی نگاری کا چلن عام ہو گیا۔ بڑی تعداد میں شعرا نے طبع آزمائی شروع کی۔ مغربی علم و ادب کی مقبولیت کے ساتھ ساتھ پیروڈی کے برق رفتار ارتقار کا ایک سبب یہ بھی رہا کہ چند شعرا کی شاعری کا نئے سرے سے مطالعہ کیا گیا۔ یہ وہ شعرا تھے جو کلاسکس کا درجہ رکھتے تھے۔ غالب، اقبال، میر اور نظیر اکبر آبادی کی شعری و فنی صلاحیتوں کو ماننے کا سلسلہ چل نکلا۔ ان شعرا کے اشعار کی نت نئی تشریحات سامنے آنے لگیں اور اس طرح یہ عظیم فنکار قرار پائے۔ ساتھ ہی ان کی تخلیقات (غزلیں نظمیں) عوام میں مقبولیت حاصل کرنے لگیں۔ پیروڈی نگار شعرا کے سامنے ان شعرا کا کلام تھا جو عوامی سطح پر مشہور تھا، لہٰذا بڑی تعداد میں شعرا نے پیروڈیاں لکھیں، اور پھر

سلسلہ جاری ہوگیا۔

کلاسیکی شاعری کی مقبولیت کے علاوہ ترقی پسند شاعروں کی مقبولیت بھی پیروڈی کے فروغ میں معاون ثابت ہوئی۔ ترقی پسند شاعروں کی تخلیقات بھی عوام میں وہی مقبولیت رکھتی تھیں۔ جو کلاسیکی شعراء کی تخلیقات رکھتی تھیں۔ ریڈیو، فلم اور پھر ٹیلی وژن نے ان شعراء کو ملک گیر پیمانے پر مشہور کر دیا اور ان کی تخلیقات زبان زدِ خاص و عام ہوگئیں۔ فیض، مخدوم، ساحر لدھیانوی، ن۔م۔ راشد، میراجی، مجاز، جذبی وغیرہ شعراء کی متعدد پیروڈیاں لکھی گئیں۔

پیروڈی نگاری کا ایک سرا ایسی تخلیقات سے جڑا ہوا ہے۔ جن میں انتہا پسندی اور جذباتیت کی بھرمار ہے۔ ترقی پسند شاعری نے جب انتہا پسندانہ رویہ اختیار کیا اور وہ مخصوص جذباتیت کا شکار ہونے لگی تو اس کی اِس خامی پر پیروڈی کے ذریعے اصلاح طنز کی کوشش کی گئی۔ ایسی تخلیقات میں ڈکشن اور ہیئت کا مذاق بھی اڑایا گیا۔ اور ساتھ ہی موضوعات کی یکسانیت بھی ہدفِ طنز بنی۔ اسی طرح جدید شاعری، جو جدیدیت کے ڈکشن سے متاثر تھی، کے خلاف بھی کچھ ایسا ہی عمل کیا گیا اور پیروڈیاں لکھی گئیں۔ ایسی پیروڈیوں میں موضوع کے مقابلے اسلوب اور اسٹائل کو پیروڈی کا نشانہ مانا گیا ہے۔ فرقت کاکوروی کی "مداوا" کی پیروڈیاں اس کی بہترین مثال ہیں۔ غرض آزادی کے بعد اردو شاعری میں پیروڈی کو مقبولیتِ دوام حاصل ہوئی۔ جن شعراء نے اس میدان میں اپنے نقوش چھوڑے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :۔ کنہیا لال کپور، عاشق محمد غوری، قاضی غلام محمد، صادق موئی، راجہ مہدی علی خاں، سید محمد جعفری، دلاور فگار، فرقت کاکوروی، مجید لاہوری، رضا نقوی واہی، شوکت تھانوی۔ آئندہ صفحات میں ہم ان پیروڈی نگار شعراء پر تبصرہ پیش کریں گے۔ جنھیں ہم نے اس انتخاب میں شامل کیا ہے۔

ہمارے انتخاب میں سب سے پہلے جس شخص کا نام ہے۔ ان کی پہچان شاعر کے بجائے ادیب و نثر نگار سے ہوئی ہے۔ کنہیا لال کپور نے طنز و مزاح کے لئے نثر اور صحافت کو میدانِ عمل بنایا، اور طنز و مزاحیہ مضامین سے عوام میں شہرت حاصل کی۔ مگر یہ حقیقت چند ہی اشخاص جانتے ہیں۔ کہ کنہیا لال کپور نے بڑی اعلیٰ لفظی پیروڈیاں بھی لکھی ہیں اور اس طرح پیروڈی کی تاریخ میں اپنا نام لکھوا گئے ہیں۔ نثر نگار ہونے کے باوجود ان کی پیروڈیوں میں فنی بلندی اور فکر و عمل کا احساس

واضح طور پر ہوتا ہے۔ کپور کی چند پیروڈیاں اس یادگار مضمون میں شامل ہیں جس کا عنوان "غالب جدید شعراء کی ایک مجلس میں" ہے۔ اس طنزیہ مضمون میں انھوں نے غالب کو عالمِ ارواح سے عالمِ آب و گل میں دوبارہ آتارا ہے اور چند ترقی پسند شعراء کی شعری نشست میں شامل کر لیا ہے خوبی یہ ہے کہ ان شعراء کے ناموں کی بھی پیروڈی کر دی ہے۔ مثلاً میراجی کا نام "بیراجی" ۔ اور فیض احمد فیض کا نام "غیظ احمد غیظ" کر دیا ہے۔ ساتھ ہی ان شعراء کی نظموں کی لفظی پیروڈیاں شامل کی ہیں۔ ان پیروڈیوں میں ترقی پسند شاعری کی گہری جذباتیت اور آزاد شاعری پر طنز کے نقوش کو تلاش کیا جا سکتا ہے فیض کی نظم "تنہائی" کی پیروڈی تو اتنی برجستہ اور پُر مزاح ہے کہ اس کی دوسری مثال ملنی مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ترقی پسند نظم پر پیروڈی لکھنے کا سہرا کنہیالال کپور کے سر ہی بندھتا ہے۔ انھوں نے ابتدا ہی میں ترقی پسند شاعری کی بڑھتی ہوئی جذباتیت اور آزاد نظم کی خامیوں کو پرکھ لیا تھا اور ان پر طنز کرنے کا سب سے لطیف طریقہ "پیروڈی" استعمال کیا۔ "لگائی" کی خوبی یہ ہے کہ پہلے ہی مصرعہ سے ہمارے ذہن میں فیض کی نظم کا مکمل خاکہ اُبھرنا شروع ہو جاتا ہے۔ مضمون کی بے ترتیبی بھی کنہیالال کپور کی ان پیروڈیوں میں ہدفِ طنز بنی ہے۔ ن۔م۔ راشد کی نظم کی پیروڈی جو "آ مری جان مرے پاس انگیٹھی کے قریب" جیسے مصرعہ سے شروع ہوتی ہے مضمون کی بے ترتیبی پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ "بدلہ" لفظی اُلٹ پھیر کا بہترین نمونہ بھی ہے۔ غرض ہم کہہ سکتے ہیں کہ کنہیالال کپور نے ترقی پسند شاعری کی بڑھتی ہوئی جذباتیت کو پیش کرنے کے لئے ان نظموں کو لفظی تغیر کی بدولت مضحکہ خیز بنا کر پیش کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

مسٹر دہلوی کی پیروڈی "ماڈرن آدمی نامہ" پیروڈی کی تاریخ میں ابتدائی کوشش ہونے کے باوجود فکر و فن کی بلندیاں چھوتی ہے۔ ترقی پسند نقادوں کی بدولت نظیر اکبر آبادی کی شاعری کا عوامی پس منظر سامنے آیا اور نظیر کی اُس سیاسی سماجی بصیرت کے تحت جو اُن کے کلام میں جا بجا موجود تھی ان کی ادبی حیثیت کو تسلیم کیا جانے لگا۔ ساتھ ہی ان کی کئی نظمیں زباں زدِ خاص و عام ہو گئیں۔ جن میں سادے اسلوب میں عوامی ضرورتوں، تکالیف اور سیاسی و سماجی موضوعات کو اپنایا گیا تھا۔ ایسی نظموں میں بنجارہ نامہ، آدمی نامہ، مفلسی وغیرہ نظمیں تو بہت ہی زیادہ مشہور ہوئیں۔ مسٹر دہلوی نے پیروڈی کے لئے نظیر اکبر آبادی کی نظم "بنجارہ نامہ" کو چُنا۔ جس میں نظیر نے بے ثباتیٔ دنیا

کا نقشہ کھینچا ہے اور ان اشخاص کو غفلت کی نیند سے جگانے کی کوشش کی ہے جو زر، زمین، عیش و عشرت اور دنیاوی لوازمات کو ہی زندگی سمجھے ہوئے تھے۔ مسٹر دہلوی نے نئے زمانے کے پس منظر میں نظیر کے موضوع کو وسعت دی ہے۔ ان کے یہاں بھی دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا گیا ہے ۔ مگر تلقین کے موضوعات بدل گئے ہیں۔ سائنس کی کمزوریاں، جنگ و جدل، پیسے کی ہوس اور شہرت کا لالچ وہ موضوعات ہیں جو مسٹر دہلوی کے "بنجارہ نامہ" کا موضوع بنے ہیں۔ قافیوں کو بھی نیا رنگ روپ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کی یہ پیروڈی مضحک صورتِ حال پیش کرنے کے بجائے عبرت کا نقشہ کھینچتی ہے۔ اگر نظیر اس دور میں پیدا ہوئے ہوتے تو شاید ان کا بنجارہ نامہ ان ہی موضوعات کا احاطہ کرتا جو مسٹر دہلوی کی پیروڈی میں ہوئے ہیں۔

مسٹر دہلوی کی دوسری پیروڈی خانگی موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ پیروڈی نظیر اکبرآبادی کی مشہور نظم "روٹیاں" کی ہے۔ مسٹر دہلوی نے اس کا عنوان "بیویاں" رکھا ہے۔ اور جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے۔ اس میں بیوی کی خوبیوں کا تذکرہ واشگاف اندازِ بیان کے ذریعے کیا ہے۔ یہاں طنز کی بہ نسبت مزاح کا رُخ نمایاں ہے۔ شادی کے بعد شوہر نامدار کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچنے میں وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔ نظیر کی نظم "مخمس" کو انھوں نے "مسدس" بنا دیا ہے۔

قاضی غلام محمد کا نام بھی پیروڈی نگاری کی تاریخ میں ایک اہم اور منفرد نام ہے۔ ان کی پیروڈیوں کی خوبی یہ ہے کہ ان میں تنوع پایا جاتا ہے۔ اور یہ تنوع بھی دو طرح کا ہے۔ یہ حقیقت مسلّم ہے کہ قاضی صاحب نے جو پیروڈیاں لکھیں وہ الگ الگ شعراء کی تخلیقات تھیں۔ اختر شیرانی، نظیر اکبرآبادی، جذبی وغیرہ۔ جبکہ اکثر پیروڈی نگار شعراء کا ایک پسندیدہ شاعر ہوتا ہے جس کی مختلف نظموں کی پیروڈی وہ کرتا چلا جاتا ہے۔ قاضی صاحب نے قدیم و جدید شعراء کو بیک وقت پیروڈی کا نشانہ بنایا ہے۔ یوں تو ان کی یہ پیروڈیاں لفظی زیادہ لگتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی موضوعات میں بھی جدت طرازی کا احساس نمایاں رہتا ہے۔ اختر شیرانی کی مشہور نظم "او دیس سے آنے والے بتا" کی بڑھتی ہوئی رومانیت پر اچھا اور کامیاب وار کیا ہے۔ یہاں الفاظ کے پھیر بدل کے ساتھ چند مضحکہ خیز واقعات و خیالات کو بھی جگہ دی گئی ہے اور در پردہ اسکالر، شاعر، شوہر، لیڈر وغیرہ طنز کا نشانہ بنے ہیں اور ساتھ ہی منظر نگاری کے ذریعے بھی رومانیت کی مضحکہ خیزی

بیان کی گئی ہے۔ پیروڈی "موت" جذبی کی نظم "موت" کی عمدہ پیروڈی ہے۔ "توحیلوں" کی تکرار سے انھوں نے مزاحیہ رنگ اختیار کیا ہے۔ ان کی اس پیروڈی میں جدت اس طرح نمایاں ہے کہ ہر بند کو کسی خاص شخص سے منسوب کیا گیا ہے۔ مثلاً واعظ، وزیر، شوہر، کلرک وغیرہ ہر شخص جذبی کی طرح جانے کی جلدی میں ہے مگر بہت سے کام باقی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مضحکہ خیز صورتِ حال پیدا ہو رہی ہے۔ "نیا آدمی نامہ" نظیر اکبر آبادی کے آدمی نامے کا جدید روپ ہے۔ اس میں مسٹر دہلوی کی طرح موضوع کو سنجیدہ ہی رہنے دیا گیا ہے اور یہاں بھی کلرک، مُلّا، شاعر اور نقاد ان کے طنز کا نشانہ بنے ہیں۔ الفاظ کے ردّ و بدل کا اچھا نمونہ ان کی پیروڈیاں پیش کرتی ہیں۔ قاضی صاحب کی پیروڈیوں کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ وہ سماج کے خاص اشخاص کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ قاضی غلام محمد کی پیروڈیوں میں لفظی و موضوعاتی پیروڈیوں کی خوبیاں ایک جان ہو کر ابھری ہیں۔

قاضی غلام محمد کی طرح عاشق محمد غوری کی پیروڈیوں میں تنوع پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عاشق محمد غوری کا نام صرف ایک پیروڈی نگار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ انھوں نے لفظی پیروڈیاں لکھنے میں کمال کر دکھایا ہے۔ آزاد نظم کے مخصوص ڈکشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صادق قریشی کی عشقیہ نظم "سلمیٰ" کی پیروڈی "کتا" کے عنوان سے کی ہے۔ کہاں ایک طرف لطیف ترین جذبات کی عشقیہ نظم "سلمیٰ" جس میں شاعر نے عشقیہ جذبات و کیفیات کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے اور کہاں عاشق محمد غوری کی پیروڈی "کتا" جس میں سارا زور کتے کی ذات اور اس کے کھانے کے لالچ پر دیا گیا ہے۔ الفاظ کے معمولی تغیر سے نظم کی حیثیت ہی بدل دی گئی ہے۔ یوں تو یہ پیروڈی انتخاب میں شامل ہے۔ مگر یہاں اصل کے ساتھ مقابلے کے لئے چند مصرعے ملاحظہ ہوں۔ ۵

"سلمیٰ" (صادق قریشی)

میں نے اک تصویر بنائی
نیچے لکھا نام کسی کا
سلمیٰ!

"کتا" (عاشق محمد غوری)

میں نے اک دن کھیر پکائی
اس کی خوشبو پا کر آیا
کتا!

سلمیٰ شرم وحیا کی دیوی　　　　کتا شرم وحیا سے عاری
پیکر اک اخلاص و وفا کا　　　　پیکر تھا اک حرص و ہوا کا
سلمیٰ　　　　کتا

مندرجہ بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عاشق محمد غوری پیروڈی کرنے میں کتنے کامیاب ہوئے ہیں۔ انھوں نے موضوع کو چند الفاظ کی تبدیلی سے یکسر بدل دیا ہے اور یہی اس پیروڈی کی خصوصیت ہے۔ اس پیروڈی کی مقبولیت کا ایک راز اس کے مخصوص اسٹائل میں پنہاں ہے۔ جہاں الفاظ کی تکرار سے ایک طرف عشقیہ جذبات کو تحریک ملتی ہو وہیں دوسری طرف مضحکہ خیز صورتِ حال بھی سامنے آتی ہے۔ عاشق محمد غوری کی دوسری نظم اختر شیرانی کی نظم" او دیس سے آنے والے بتا"کو بھی انھوں نے قاضی غلام محمد کی مانند پیروڈی کے لئے چنا ہے۔ مگر قاضی صاحب کے یہاں پیروڈی کے در پردہ چند اشخاص کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ جبکہ عاشق محمد غوری کے یہاں مضحکہ خیز صورتِ حال پیش کرنے کی کوشش زیادہ ہے۔ انھوں نے دیس سے آنے والے مسافر کے ذریعے پُرانی یادوں کے بجائے چند مزاحیہ مناظر کو بخوبی پیش کر دیا ہے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس پیروڈی میں انھوں نے اختر شیرانی کی بڑھتی ہوئی جذباتیت اور رومانیت کے خلاف قلم اٹھایا ہے۔ دراصل یہ نظم پیروڈی کے لئے اس لئے مناسب رہی ہے کہ اوّلاً بحر بہت مترنم ہے اور ثانیاً" او دیس سے آنے والے بتا"کی تکرار سے اس کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نظم کی پیروڈیاں ایک سے زیادہ تعداد میں ملتی ہیں۔

ایسے شعراء میں جن کے یہاں پیروڈی کی صنف خاص اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ سیّد محمد جعفری کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ طنز و مزاح کی شاعری میں جو سنجیدگی و متانت ان کے یہاں ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آپائی۔ انھوں نے طنز و مزاح کی شاعری کو جو دوسرے درجے کی شاعری مانی جاتی تھی، اٹھا کر صفِ اول میں کھڑا کر دینے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ان کے موضوعات کا رخ سیاسی و سماجی طنز کی طرف زیادہ رہتا ہے۔ انتخاب میں شامل پیروڈیاں کا جائزہ لینے سے پہلے یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ وہ اساتذۂ فن میں غالب کے

بعد سب سے زیادہ اقبال سے متاثر ہیں۔ ان کی اقبال شناسی کی مثالیں ان کی تخلیقات میں بکھری پڑی ہیں۔ ان کی متعدد نظموں میں اقبال کے اشعار یا مصرعے بڑی برجستگی اور بے ساختگی سے استعمال ہوئے ہیں۔ اقبال کے اشعار ان کی تخلیق میں اس طرح شیر و شکر ہو جاتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اقبال نے یہ اشعار سید محمد جعفری کی نظموں کے لئے ہی کہے ہیں۔ انھوں نے اقبال کی نظموں کی سب سے زیادہ پیروڈیاں لکھی ہیں۔ مگر سب سے پہلے جس پیروڈی کا تذکرہ کیا جائے گا وہ نظیر اکبر آبادی کی نظم "بنجارہ نامہ" کی پیروڈی ہے۔ اس پیروڈی میں انھوں نے سیاسی موضوعات کو نہایت خوبصورتی سے سمو دیا ہے۔ یہ پیروڈی موضوعات کی سنجیدگی کی عمدہ مثال بھی ہے۔ یہاں مزاح کے بجائے طنز سے کام لیا گیا ہے اور یہ طنز ارباب سیاست کے خلاف صف آرا ہونے پر خرچ کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں نظیر کے مصرعے بغیر کسی تبدیلی کے رہنے دیئے ہیں۔ لیکن یہ مصرعے پیروڈی کی کمزوری کے بجائے اس کی خصوصیت بنگئے ہیں۔

"گوشت کا مرثیہ" اور "وزیروں کی نماز" سید محمد جعفری کی معرکۃ الآرا پیروڈیاں ہیں یہ دونوں پیروڈیاں اقبال کی مشہور نظم "شکوہ" کی ہیں۔ شکوہ ایسی نظم ہے جسے شاعرانِ طنز و مزاح نے پیروڈی کے لئے سب سے زیادہ استعمال کیا ہے۔ اس کا اندازہ ہمارے انتخاب پر سرسری نظر ڈالنے سے لگایا جا سکتا ہے۔ اقبال کی یہ نظم ان کی مشہور ترین نظموں میں سے ایک ہے جس میں انھوں نے خدا سے ملّتِ اسلامیہ کی شکست و ریخیت پر شکوہ کیا ہے مسدس کی ہیئت میں یہ نظم اپنے دامن میں بڑے تیور رکھتی ہے۔ اس میں تخاطب کا جاہ و جلال بھی ہے اور خدا سے ہم کلام ہونے کی جرأت بھی۔ ساتھ ہی لفظِ "شکوہ" نے پیروڈی نگاروں کو خاص طور پر آمادۂ تخلیق کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ "شکوہ" میں بڑی وسعت ہے۔ خدا کے علاوہ زندگی کے ہر شعبہ میں، ہر میدان میں اور ہر کونے میں شکوے شکایت کی گنجائش ہے ساتھ ہی کھلے الفاظ میں طنز کرنے کی صلاحیت بھی شعراء کو متاثر کرتی رہی ہے۔ سید محمد جعفری کے یہاں "شکوے" کی پیروڈیوں کے عنوان بدل دیئے گئے ہیں۔ وزیروں کی نماز میں ایسے لالچی و خوشامد پسند اشخاص سے شکوہ کرایا گیا ہے جو وزیروں کو خوش کرنے کے لئے عید کی نماز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے باوجود شرفِ نیاز سے محروم ہیں، لہٰذا وزرائے کرام سے التجا آمیز

لہجہ میں شکوہ کر رہے ہیں کہ انھوں نے باوجود اتنی اطاعت گزاری کے اپنے "غلاموں" کو نظر انداز کر رکھا ہے۔" وزیروں کی نماز" میں شکوہ اور جوابِ شکوہ دونوں کے بند شامل ہو گئے ہیں۔ یہاں پیروڈی کی اہمیت اور سید محمد جعفری کی کامیاب پیروڈی کے نمونے کے طور پر اقبال اور سید محمد جعفری کا ایک ایک بند ملاحظہ ہو:۔

اقبال کا بند یوں ہے ؎

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے ؎ نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے ؎ تیرے قرآں کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں، تو بھی تو دلدار نہیں

سید محمد جعفری نے اس بند کی پیروڈی یوں کی ہے ؎

عطر میں ریشمی رومال بسایا ہم نے ؎ ساتھ لائے تھے مصلّٰے وہ بچھایا ہم نے
دُور سے چہرہ وزیروں کو دکھایا ہم نے ؎ ہر بڑے شخص کو سینے سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
کون کہتا ہے کہ ہم لائقِ دربار نہیں

مندرجہ بالا مثال سے سب سے پہلا احساس جو ابھرتا ہے وہ اس بات کا ہے کہ شاعر شکوہ کے اسلوبِ بیان یا طرزِ ادا کا مذاق نہیں اڑا رہا ہے بلکہ اس کے تیور، اس کی بے باکی اور جرأت کو آلۂ کار بنا کر پیش کر رہا ہے۔ یہاں طنز کی خوبی بھی قابلِ داد ہے۔ اقبال کے شکوے کی جتنی بھی پیروڈیاں ہوئی ہیں۔ سب میں جو بات مشترک ہے وہ یہی ہے۔ اقبال کے اسلوبِ بیان پر طنز کرنے کے بجائے اسے ڈھال کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس سے اقبال کی شہرت وعظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"گوشت کا مرثیہ" بھی" شکوہ" کی پیروڈی ہے۔ مگر مندرجہ بالا نظم سے ان معنوں میں مختلف ہے کہ یہاں جو حربہ استعمال کیا گیا ہے وہ خالص مزاح ہے۔ جبکہ" وزیروں کی نماز" میں طنز واضح حربے کی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ سید محمد جعفری کے شہر میں گوشت

والوں نے ہڑتال کردی ہے۔ جس کی وجہ سے عوام کو گوشت نہیں مل رہا ہے۔ لہٰذا موقع فراہم ہوتا ہے کہ شکوے کے ذریعے گوشت کی فریاد کی جائے اور سید محمد جعفری ایسا کرنے میں چوکتے نہیں۔ یہاں بھی اقبال کے پورے پورے بند ذرا سے تغیر کے بعد خدا سے شکوے کے بجائے، گوشت کا مرثیہ بن گئے ہیں۔ یہاں بھی اقبال اور سید محمد جعفری کے ایک ایک بند کی مثال پیش ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سید محمد جعفری پیروڈی کرنے میں کس حد تک کامیاب ہیں۔

اقبال کا بند ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم ٭ قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں، فریاد سے معمور ہیں ہم ٭ نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سُن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سُن لے

سید محمد جعفری اس بند کی پیروڈی یوں کرتے ہیں۔ ؎

گوشت خوری کے لئے ملک میں مشہور ہیں ہم ٭ جب سے ہڑتال ہے قصابوں کی مجبور ہیں ہم
چار ہفتے ہوئے قیلے سے بھی مہجور ہیں ہم ٭ نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سُن لے
خوگرِ گوشت سے سبزی کا گلا بھی سُن لے

مندرجہ بالا دونوں مثالوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سید محمد جعفری نے اقبال کی نظموں کی پیروڈی کس خوبصورتی اور جدتِ مضمون کے ساتھ کی ہے۔ "لاالٰہ الا اللہ" بھی اقبال کی نظم کی اچھی وخوبصورت پیروڈی ہے۔ اس میں اقبال کے چند مصرعوں کو جوں کا توں رکھا گیا ہے۔ اور مصرعۂ اوّل میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

راجہ مہدی علی خاں کا نام بھی اردو پیروڈی نگاری میں اہم ومنفرد ہے۔ انھوں نے پیروڈیوں کے ذریعے خاصی دھوم مچائی ہے۔ مرزا غالب کی غزلوں کی پیروڈی لکھنے میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ راجہ صاحب کے طنز ومزاح کا واضح رُخ خانگی موضوعات کی طرف ہے۔ اس

ہیں وہ عورتوں کی نفسیات اور خاندان یا گھر میں ہونے والے واقعات کی مضحکہ خیزی وطنز کو خاص طور پر موضوع بناتے ہیں۔ ان کی پیروڈیوں میں بھی خانگی موضوعات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ مگر ساتھ ہی خارجی موضوعات کو بھی قلم بند کرتے ہیں۔ ان کی تمام تر پیروڈیاں مرزا غالب کی غزلوں سے منسوب ہیں۔ غالب کی غزلوں کی پیروڈی کرتے وقت وہ کسی خاص موضوع کو چنتے ہیں اور اسے عنوان بھی دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہر شعر کی پیروڈی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ پیروڈیاں الفاظ میں بھاری تغیر و تبدیلی سے عبارت ہیں۔ قافیہ اور ردیف کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے مگر نفسِ مضمون کو یکسر بدل دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ان کی پیروڈیوں میں ذاتی اشعار کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ ان بھرتی کے اشعار کا مقصد واقعہ کی مضحک صورت حال کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ یہ اشعار پیروڈی کے فن کو مجروح نہیں کرتے بلکہ یوں ہم آہنگ ہوجاتے ہیں کہ ان کو وہاں سے نکالنا ممکن نہیں رہتا۔ کہیں مصرعۂ اوّل بدل کر مصرعۂ ثانی کی نئی معنویت تلاش کر لیتے ہیں تو کہیں دونوں مصرعوں کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے غالب کی مشہور ترین غزلوں کا انتخاب کیا ہے "غالب ایک ریسٹوراں میں" راجہ صاحب کی اچھی و کامیاب پیروڈی ہے جو غالب کی مشہور غزل کی پیروڈی ہے۔ غالب کا مقطع یوں ہے۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخن وَر بہت اچھے ؎ کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

اس غزل کی پیروڈی کرتے ہوئے راجہ صاحب ایک ہوٹل کا ماحول پیدا کرتے ہیں جس میں وہ ایک اینگلو انڈین محبوبہ کے ساتھ لنچ لے رہے ہیں۔ ساتھ ہی راز و نیاز کی باتیں بھی کر رہے ہیں۔

بے گال پہ اس تِل کے سوا ایک نشاں اور ؎ تم کچھ بھی کہو، ہم کو گزرتا ہے گماں اور

"غالب باٹا شو کمپنی میں" غزل "جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں" کی پیروڈی ہے، یہاں غالب نے اپنا روپ بدل لیا ہے۔ موجودہ دَور میں انھیں باٹا شو کمپنی میں سیلز مین کی نوکری مل گئی ہے اور ان کی یہ دیرینہ خواہش بھی پوری ہوگئی۔

مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے حنا ؎ کس قدر یا رب ہلاکِ حسرتِ پا بوس تھا

آج وہ ہر نازنین کے پیروں کو چھو رہے ہیں۔ راجہ صاحب نے ایک ماحول بنایا ہے۔ جس میں ایک لڑکی غالب کے پاس چپل پہننے آئی ہے اور غالب کی حسرت یوں پوری کر رہی ہے۔ ؎

یہ مہندی بھرا پاؤں چپل میں رکھ دے ؛ ذرا آج اسے چھو کے ہم دیکھتے ہیں

اور فقیروں کا بھیس بدل کر اہلِ کرم کا تماشا دیکھنے والا غالب آج چمار و ں کا بھیس بدل کر اہلِ کرم کو دیکھ رہا ہے۔ راجہ صاحب نے اس پیروڈی میں غالب کی غزل کو قطعی مضحکہ خیز بنا کر پیش کیا ہے اور یہی اس پیروڈی کی خصوصیت ہے۔ مندرجہ بالا دونوں پیروڈیوں کی خاصیت یہ ہے کہ دونوں غالب کی زبان سے ادا ہو رہی ہیں۔ مگر "غالب کے گھر کے سامنے رشتے کی بات چیت" عورتوں کے درمیان ہونے والے مکالمات سے متعلق ہے۔ جس میں عورتوں کے برجستہ محاوروں اور روزمرہ کی چاشنی بھی شامل ہے۔ مثلاً ؎

رشتہ کرتی نہیں اور پیسے پہ ہو ہر لحظہ نگاہ ؛ جی میں کہتی ہے کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

پیروڈی کا انتخاب ادھورا رہے گا جب تک اس میں اس شاعر کا ذکر نہیں کیا گیا، جس نے نظم و نثر کے ذریعے لوگوں کو گدگدانے اور مُردہ دلوں میں خوش دلی بکھیرنے کا کام تمام عمر جاری رکھا اور اس طرح اردو طنز و مزاح کی تاریخ میں اپنا نام سنہری حرفوں سے لکھوالیا۔ جہاں اس نے اپنی نثر کے ذریعے انسانی دلوں کو جھنجھوڑنے کا کام کیا کہ یہی مقصد طنز و مزاح کا ہوتا ہے، وہیں اپنی طنز و مزاحیہ شاعری سے بھی لوگوں کے دلوں پر راج کیا۔ اس شاعر کا نام غلام احمد فرقت کاکوری ہے۔ جو پیروڈی نگاری میں بھی ایک اہم و منفرد نام ہے۔ فرقت کاکوری کی پیروڈیاں "مداوا" کے عنوان سے کتابی شکل میں سامنے آچکی ہیں۔ اس میں انھوں نے ترقی پسند شاعروں کی نظموں پر پیروڈیاں لکھی ہیں۔ "مداوا" میں چند بہت ہی خوبصورت و کامیاب پیروڈیاں بھی ہیں۔ یوں تو اس کتاب میں بہت نظمیں شامل ہیں مگر زیادہ تعداد ایسی نظموں کی ہے جن میں ترقی پسند شاعری کی بڑھتی ہوئی جذباتیت، خارجیت و جنسیت کو اپنا کر ان کے رنگ میں طبع زاد نظموں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی لئے ان کو پیروڈی نہیں کہا جاسکتا۔ مگر اس کے علاوہ کئی نظمیں ایسی ہیں جنھیں پیروڈی کے ذیل میں لایا جاسکتا ہے۔

فرقت کاکوروی کی پیروڈیوں کا اصل مقصد ترقی پسند شاعری پر تنقید اور آزاد و معرا نظموں کی بے ربطی وغیرہ پر طنز کرنا رہا ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر تاثیر، مخمور جالندھری، ن۔ م راشد، فیض اور میراجی کی نظموں کی پیروڈیاں لکھنے میں خاص دلچسپی لی ہے۔ ان پیروڈیوں میں لفظی تراش خراش کے ذریعے انھوں نے ان کی معنویت اور ترقی پسند موضوعات پر کاری ضرب لگائی ہے۔ انھیں ترقی پسند شاعری کی بڑھتی ہوئی انتہا پسندی اور موضوعات کی یکسانیت سے شکایت تھی۔ ساتھ ہی وہ اس اظہارِ بیان کو بھی پسند نہیں کرتے تھے جو ترقی پسند شاعری کا مزاج بن گیا تھا ان سب کے باوجود ان کی پیروڈیاں فنی خامیوں سے مبرا نہیں ہیں اور خاصی کمزور ہیں۔ مگر جس مقصد کے لئے یہ پیروڈیاں لکھی ہیں وہ مقصد پورا ہوتا ہے اور یہی ان کی کامیابی ہے۔

ہمارے انتخاب میں شامل ان کی پہلی پیروڈی "مظلومی" ہے۔ جو میراجی کی نظم "محرومی" کی پیروڈی ہے۔ اس پیروڈی میں انھوں نے میراجی کے مخصوص اسلوب کا خوبصورت چربہ پیش کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نقل اور اصل میں فرق بڑھ گیا ہے۔ جو لفظی پیروڈی کے شایانِ شان نہیں۔ ایسا بھی لگتا ہے کہ جس جذباتیت کے خلاف وہ ان پیروڈیوں میں صف آرا ہیں، خود اس کا شکار ہو گئے ہیں۔ جہاں ایک طرف یہ اُن کی خامی بن جاتی ہے وہیں خوبی بھی، کہ ہر شاعر کے جذبات اور لفظیات کی دنیا میں ڈوب کر وہ اس کے رنگِ کلام کو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اکثر اس میں انھیں کامیابی ملتی ہے۔ "مظلومی" میں انھیں ایسی ہی کامیابی ملی ہے۔ طویل ترین بحر والی نظم کی پیروڈی کرنا آسان کام نہیں۔ مگر فرقت نے اس کو بائیں ہاتھ کا کھیل بنا دیا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ مضامین کی بے ربطی کا شکار کبھی نہیں ہوتے اور طویل مصرعوں میں ہم آہنگی برقرار رہتی ہے۔ اس سے اُن کے قدرتِ کلام کا اندازہ ہو جاتا ہے نفسِ مضمون کو تبدیل کرنے میں وہ کامیاب ہو جاتے ہیں اور میراجی کے اسلوبِ بیان اور مخصوص طرزِ ادا پر طنز بھی کامیاب ہو گیا ہے۔ یہاں دلچسپی کے لئے صرف ایک مصرعہ نقل کیا جاتا ہے۔ ؎

"میں کہتا ہوں تم سے، اگر صبح کو بھول کر بھی کبھی سائیکل کی دوکان کی طرف سے
نکلنا، تو پنچر کو جڑوا ہی لینا، اگر ہو گیا ہے تو اس پر تعجب نہیں ہے، نہ ہو گا۔"

پیروڈی "ناتمام"، ن۔ م راشد کی مشہور نظم "انتقام"، کی بہترین پیروڈی کہی جا سکتی

ہے۔ اس میں بھی فرقت کا سارا زور آزاد نظم کی بڑھتی ہوئی جذباتیت کی طرف ہے۔ مگر جنسی موضوعات سے لگاؤ کے سبب انھوں نے راشد پر تنقید کے لئے جنسیت سے کام لیا ہے۔ یہاں اصل اور نقل دونوں سے ایک ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں ؎

"ناتمام" (فرقت کاکوروی)	"انتقام" (ن۔م۔ راشد)
اس کا گھر اور اس کی رہ گذر یاد آتے ہیں	اس کا چہرہ اس کے خدوخال یاد آتے ہیں
اک زنانہ جسم اب تک یاد ہے	اک شبستاں یاد ہے۔
ایک ہیٹی کوٹ میں لپٹا بدن	اک برہنہ جسم آتشداں کے پاس
لان پر سبزہ تھا اور سبزے پہ لان	فرش پر قالین، قالینوں پہ سیج

بالکل یہی کیفیت "کبابی" میں ہے۔ اس میں بھی فرقت کاکوروی نے ن۔م۔ راشد کی نظموں کی بڑھتی ہوئی جذباتیت اور بے جا طوالت کو طنز کے لئے منتخب کیا ہے۔ اور ان ہی کے رنگ میں مصرعے کہنے کی کوشش کی ہے۔ مگر خیال یہ رکھا ہے کہ معنویت یکسر تبدیل ہوجائے شرابی کو کبابی میں بدل دینے کی صلاحیت اُن میں ہے۔ اس پیروڈی میں بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر تاثیر کی نظم "رس بھرے ہونٹ" کی پیروڈی "رخسار" کے عنوان سے کی ہے۔ اس میں انھوں نے چند تغیر بھی کئے ہیں۔ مثلاً مصرعے بڑھادیئے ہیں تاکہ نئی معنویت پیدا کی جاسکے۔ ویسے پیروڈی نگاری کے فن کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہیئت میں تبدیلی نہ کی جائے۔ مگر فرقت کاکوری نے جگہ جگہ چند مصرعوں کو بڑھایا گھٹادیا ہے۔ یہاں اصل اور پیروڈی کے ابتدائی مصرعے ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

"رخسار" (فرقت کاکوروی)	"رس بھرے ہونٹ" (ڈاکٹر تاثیر)
تیرے غازہ ملے ہوئے رخسار	رس بھرے ہونٹ
گرگریا کے پَر سے بھی ہلکے	پھول سے ہلکے
جیسے تسلے میں تا چینی کے	جیسے بلور کی صراحی سے
خونِ ناحق نفیس سا چھلکے	بادۂ آتشیں نفس چھلکے

جیسے نرگس کی گول آنکھوں سے — جیسے گرگٹ کی گول آنکھوں میں
ایک شبنم کا ارغواں قطرہ — خاک کا ایک نوجواں ذرّہ

فرقت کاکوروی کی یہ پیروڈیاں کامیابی وناکامی دونوں کی مثال ہیں۔ کامیابی اس طرح کہ وہ پیروڈیوں سے جو کام لینا چاہتے ہیں۔ بخوبی لے لیتے ہیں یعنی تنقید وطنز کا۔ مگر کچھ خامیاں بھی رہ گئی ہیں۔ مثلاً مصرعوں کا گھٹا بڑھا دینا اور جنسیت کا غلبہ وغیرہ، دوسرے ان کی یہ پیروڈیاں مشہور نظموں کی نہیں ہیں۔ لہٰذا اصل کی طرف دھیان بہت دیر سے جاتا ہے اور اکثر جا ہی نہیں پاتا۔ اسی لئے کنہیا لال کپور اور مجید لاہوری کے مقابلے ان کی پیروڈیاں دوسرا درجہ رکھتی ہیں۔ وزیر آغا نے اُن کی پیروڈیوں پر یوں تبصرہ کیا ہے :-

"چونکہ ان کی تحریفیں (پیروڈیاں) محض نظمِ معرّا یا آزاد کی جذباتیت کے خلاف صف آرا نہیں بلکہ دراصل ان کے معرضِ وجود میں آنے کا باعث وہ ناپسندیدگی ہے جو تحریف نگار کے دل میں ان اصنافِ سخن کے خلاف موجزن تھی۔ لہٰذا بیشتر اوقات ان تحریفوں میں شعوری کاوش کی فراوانی اور ظریفانہ مبالغے کا فقدان نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی مقامات پر وہ تحریف کی کشادگی کو خیرباد کہہ کر نقل کی تنگ دامانی میں بھی اُلجھ گئے ہیں۔ اس روش نے ان کی تحریف نگاری کو نقصان پہنچایا ہے۔" [1]

وزیر آغا صاحب کا یہ بیان "مداوا" میں شامل اکثر پیروڈیوں پر صادق آتا ہے مگر ہمارے انتخاب میں شامل پیروڈیاں معتدل اور فنی نقطۂ نگاہ سے کامیاب ہیں۔

ابتدا میں کہا گیا ہے کہ پیروڈی مزاح کے ساتھ ساتھ طنز کا کام بھی کرتی ہے اور یہ طنز بھی دوہرا ہوتا ہے۔ کہیں یہ ادب پارے کی بڑھتی ہوئی جذباتیت پر حملہ آور ہوتا ہے تو کہیں پیروڈی کے ذریعے سیاسی وسماجی موضوعات پر طنزیہ وار کرتا ہے۔ ایسا طنز بہت دیرپا ہوتا ہے۔ یہ اشخاص کے سینوں میں اُتر جاتا ہے اور تطہیرِ ذات کے ساتھ ساتھ اصلاح کی طرف بھی گامزن ہوتا ہے۔ اکثر پیروڈی نگار شعرا نے اس طنز کو پانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان سب میں

---

[1] اردو ادب میں طنز و مزاح — ڈاکٹر وزیر آغا — ص ۱۹۶

سب سے زیادہ کامیابی مجید لاہوری کو ملی ہے۔ ان کی پیروڈیوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اعلیٰ طنز کا درجہ رکھتی ہیں۔ انھوں نے اپنی آنکھ زمانے کے مسائل سے ہمیشہ ملائی ہے اور اور اس کی اصلاح کے لئے ادب و صحافت کے ذریعے کوشش کرتے رہے ہیں "نمکدان" کے ذریعے جہاں انھوں نے صحافتی انداز اختیار کیا وہیں دیگر اخباروں کے لئے منظومات بھی تحریر کیں۔ ان کی طنز و مزاحیہ نظموں میں سب سے بڑا حصہ پیروڈی کا ہے۔ ہمارے انتخاب میں شامل تین پیروڈیوں اور منتخب اشعار کے علاوہ انھوں نے کئی اور اچھی پیروڈیاں لکھی ہیں۔ ان سب پیروڈیوں میں ایک بات مشترک ہے اور وہ ہے ان کی سماجی و سیاسی بصیرت، خاص کر سیاسی موضوعات اور ان میں بھی طنزیہ مضامین پر انھیں مہارت حاصل ہے۔ فرقت کاکوروی کے مقابلے ان کی پیروڈیاں فنی اور ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی قابلِ ستائش ہیں۔ پیروڈی کے لئے انھوں نے اساتذہ کی مقبول ترین نظمیں اور اشعار چُنے ہیں۔

"آدمی نامہ" میں موضوعات کی سنجیدگی قابلِ غور ہے اور یہی ان کی انفرادیت ہے طنز کی اسی سنجیدگی نے ان کی اس پیروڈی کو خالص طنزیہ شاہکار بنا دیا ہے۔ اس سنجیدگی کی اہم وجہ ان کی سیاسی و سماجی بصیرت ہے۔ "آدمی نامہ" اگر ایسے شخص کو سنا دی جائے جسے اصل "آدمی نامہ" کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو تو وہ اسے مجید لاہوری کی تخلیق سمجھے گا۔ مگر اہلِ ذوق کے نزدیک یہ ایک کامیاب پیروڈی قرار پائے گی۔ اس پیروڈی میں سماجی نابرابری کے ساتھ ساتھ رشوت خوری وغیرہ جیسے موضوعات کو طنز کے شکنجے میں جکڑنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں اس پیروڈی کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں ؎

رشوت کے نوٹ جس نے لئے وہ بھی آدمی ⁂ دَو روز جس نے فاقے کئے وہ بھی آدمی
جو آدمی کا خون پئے وہ بھی آدمی ⁂ جو پی کے غم کا زہر جئے وہ بھی آدمی
آنسو بہا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مسکرا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یہاں مجید لاہوری کا مقصد نہ کسی ہیئت یا رجحان کی بُرائیاں پیش کرنا ہے اور نہ ہی جذباتیت کی انتہا کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ بلکہ یہاں تو نظیر کی نظم کو انھوں نے ایک آلہ کے

طور پر استعمال کیا ہے کہ آج بھی یہ نظم موضوعات کی وسعت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور اس بحر و ردیف و قافیہ میں اتنی روانی اور شدّت ہے کہ ایک کے بعد ایک نئے خیالات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مجید لاہوری نے ایسا ہی کیا ہے۔ انھوں نے پیروڈی اس لئے نہیں لکھی ہے کہ اصل کی کارٹون شکل پیش کی جائے بلکہ اس لئے لکھی ہے کہ اصل کی بہترین نقل کرکے جدید موضوعات سے اسے آراستہ کر دیا جائے یہ الگ بات ہے کہ ایسا کرتے ہوئے انھوں نے نظیر کے اندازِ بیان کو اپنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی مقصدیت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

"لیڈری" میں بھی طنزیہ مقصد غالب حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں "لیڈری" لفظ کی تکرار نے بھی لیڈروں کے صحیح خط و خال کو اجاگر کر دیا ہے۔ لیڈرانِ قوم کے کردار میں پائے جانے والی خرابیاں، قول و عمل کا تضاد آج روزِ روشن کی طرح سامنے ہے۔ مگر مجید لاہوری نے بہت پہلے ہماری نگاہ کا رُخ اس طرف کر دیا تھا۔ "لیڈری" جہاں ایک طرف لیڈرانِ قوم پر طنز کی عمدہ مثال ہے۔ وہیں لفظی پھیر بدل سے معنویت تبدیل کرکے عمدہ پیروڈی لکھنے کی مثال بھی ہے۔

"فرمانِ ابلیس" مجید لاہوری کی ایک کامیاب پیروڈی ہے۔ اس پیروڈی کی خصوصیت یہ ہے کہ صرف چند الفاظ بدل دینے سے مفہوم یک دم بدل گیا ہے۔ "فرمانِ خدا" (اقبال) میں خدا فرشتوں کو غریبوں کے جگانے کا حکم دے رہا ہے۔ تو "فرمانِ ابلیس" میں شیطان اپنے کارکنوں کو غریبوں کو مٹانے کا حکم دے رہا ہے۔ "جگانے" اور "مٹانے" کے معمولی فرق سے پوری نظم کی معنویت بدل گئی ہے۔ اور اس طرح اقبال کی نظم کی ایک کامیاب پیروڈی سامنے آئی ہے۔ اس پیروڈی میں مجید لاہوری کی غریبوں سے ہمدردی کا احساس بھی نمایاں ہے۔ یہ پیروڈی لفظی پیروڈی کی بھی عمدہ مثال ہے۔ یہاں اقبال کے ان اشعار کے ساتھ جنھیں مجید لاہوری نے پیروڈی کے لئے استعمال کیا ہے، پیروڈی نقل کی جاتی ہے۔

فرمانِ خدا (اقبال)	فرمانِ ابلیس (مجید لاہوری)
اُٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو	اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو مٹا دو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو	کاخِ امراء کے در و دیوار سجا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے	گرماؤ امیروں کا لہو وسکی و رم سے

کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر گوشۂ گندم کو جلا دو
سلطانیٔ فغفور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
میں ناخوش و بیزار ہوں مَرمَر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسّر ہوئی روزی
اس کھیت کے ہر گوشۂ گندم کو جلا دو
سلطانیٔ فغفور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش نیا تم کو نظر آئے مٹا دو
پھر خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا میں بٹھا دو
میں ناخوش و بیزار ہوں مٹی کے حرم سے
میرے لئے مرمر کا محل اور بنا دو

ان پیروڈیوں کے علاوہ ہمارے انتخاب میں چند متفرق اشعار کی پیروڈیاں بھی شامل ہیں۔ ان میں بھی وہی سب خوبیاں پائی جاتی ہیں جن کا ذکر مندرجہ بالا سطور میں کیا گیا۔

صادق مولیٰ کی پیروڈیوں کا تذکرہ کرنے سے پہلے ان کا تعارف ضروری ہے کہ آج صادق مولیٰ کا نام تقریباً معدوم سا ہو گیا ہے۔ یہ وہی صادق مولیٰ ہیں جو صادق کے نام سے شاعری میں 'کاذب مالوی' کے نام سے طنز و مزاح میں اور ڈاکٹر صادق کے نام سے تحقیق و تنقید اور تعلیم و تدریس سے وابستہ ہیں۔ آج بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کے ڈاکٹر صادق ہی صادق مولیٰ ہیں جنھوں نے کامیاب پیروڈیاں لکھی ہیں اور ان کی پیروڈیوں کے بغیر کوئی بھی انتخاب ادھورا سمجھا جائے گا۔ صادق نے چونکہ صادق مولیٰ کے نام سے یہ پیروڈیاں لکھی ہیں۔ لہٰذا یہاں ہم انھیں اسی نام سے پکاریں گے۔ صادق مولیٰ کی پیروڈیاں نوجوانی کے ایّام کی یادگار ہیں۔ جو انھوں نے دوستوں کی محفلوں میں سنانے کے لئے لکھی تھیں اور جو بعد میں رسائل و اخبار میں شائع ہو کر مقبولیتِ عام کے درجہ پر پہنچیں۔

صادق مولیٰ نے جدید شعراء کی بڑھتی ہوئی جذباتیت و نظم معرّا و آزاد نظم کی ہیئت پر طنزیہ وار بھی کئے ہیں اور چند ایک اچھی موضوعاتی پیروڈیاں بھی لکھیں۔ جن میں کہیں مزاح اور کہیں طنز کی آمیزش نے ان کی اہمیت کو چار چاند لگا دیئے۔ انھوں نے اقبال، فیض، ساحر لدھیانوی اور

ابن انشار کی تخلیقات کا چناؤ کر کے پیروڈی کے فن کی ضرورتوں کو ملحوظِ خاطر رکھا کہ یہ شعرا ر دَورِ خاص میں مقبولیت کے بامِ عروج پر پہنچ گئے تھے اور ان کی تخلیقات کا چرچہ ہر خاص وعام میں تھا۔

"کیا یہ سب سچّی باتیں ہیں" ابن انشار کی مشہور نظم کی پیروڈی ہے۔ اس میں انھوں نے عشق ومحبت کی مختلف کیفیات کو مضحک پیرائیہ بیان میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس طرح ایک سنجیدہ نظم میں مزاح کے مواقع فراہم کردیئے ہیں۔ ساتھ ہی انگریزی الفاظ وغیر شائستہ الفاظ سے بھی مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں دلچسپی کے لئے ایک بند پیش ہے ؎

وہ کالج کی اک لڑکی" ہاں تم نام نہ لو ہم جان گئے"
وہ ان کے ساتھ جو پڑھتی تھی" ہم جان گئے پہچان گئے"
صادق مولیٰ اس کے دل کے بنگلے میں تھے مہمان گئے
اس "لنڈیا" نے لیکن ان کو وہ "ڈاج" دیا ہم مان گئے"

کیا یہ سب سچّی باتیں ہیں جو لوگوں نے پھیلائی ہیں
صادق مولیٰ دلوانے ہیں، صادق مولیٰ سودائی ہیں

غرض انھوں نے ابن انشار کی خالص عشقیہ نظم میں عشق کی مزاحیہ صورت حال کو جدید معاشرے کے پس منظر میں بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ "کلرک کے نام" اقبالؔ کی مشہور نظم کی پیروڈی ہے۔ "جاوید کے نام" میں اقبالؔ نے انگلستان کے سفر سے اپنے بیٹے کو ایک منظوم خط لکھا تھا، صادق نے اس کی پیروڈی کرتے وقت کلرک کو موضوعِ سخن بنایا ہے اور اس طرح موضوعاتی پیروڈی کی عمدہ مثال قائم کی ہے۔ اس پیروڈی میں کلرکوں کی عادتوں پر بھرپور طنز کیا گیا ہے۔ ان کی کام چوری، رشوت خوری اور سیاسی جوڑ توڑ پر خاص چوٹیں کی گئی ہیں۔ یہ ایک سنجیدہ پیروڈی ہے اور الفاظ کی معمولی الٹ پھیر سے معنویت کو یکسر بدل دینے کی عمدہ مثال۔ اسی طرح "فرمانِ خدا" کی پیروڈی قابلِ غور ہے۔ اس نظم کو پیروڈی نگار شعرار نے خاص طور پر پیروڈی کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس میں صادق مولیٰ موضوع کو یکسر مضحکہ خیز

بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ "کلرک کے نام" میں جس طرح کلرکوں کو موضوعِ طنز بنایا گیا ہے۔ اسی طرح "فرمانِ خدا" میں ادیبوں اور شاعروں کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ مگر طنز کے بجائے کہیں کہیں مزاح بھی غالب آگیا ہے یہاں لفظی تغیر کی صلاحیتوں کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے مگر ان دونوں پیروڈیوں کی ایک خامی یہ ہے کہ صادق مولیٰ نے پوری نظم کی پیروڈی کرنے کے بجائے چار پانچ اشعار کی ہی پیروڈی کی ہے۔ چنانچہ "فرمانِ خدا" کی پیروڈی چار اشعار پر مشتمل ہے اور "جاوید کے نام" کی پیروڈی صرف پانچ اشعار پر۔

قتیلؔ شفائی کی نظم "سانولی سی اک عورت" کی پیروڈی بعنوان "کالج کی اک لڑکی" بھی صادق مولیٰ کی اچھی پیروڈیوں میں شامل کی جا سکتی ہے۔ اس نظم کے برجستہ لفظی تغیر نے اس کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ ساتھ ہی موضوع کی مضحکہ خیزی نے بھی اس پیروڈی کی کامیابی میں مدد دی ہے قتیلؔ شفائی نے سانولی سی ایک عورت سے عشق کیا ہے۔ مگر صادقؔ مولیٰ نے کالج کی ایک شوخ و طرار لڑکی سے عشق فرمالیا ہے قتیلؔ کی سانولی کا مَردوں جیسا نام ہے اور صادقؔ کی چنچل لڑکی کا نام "مس کڑوی بادام" ہے۔ جو اس کی شوخی پر دلالت کرتا ہے۔ اس طویل نظم کی پیروڈی کرتے وقت صادقؔ نے کوئی بھی بند حذف نہیں کیا ہے۔ اور اس طرح پیروڈی کی صحیح روایت کا احیار کیا ہے جبکہ خود ان ہی کی پیروڈیوں میں یہ خامی پائی جاتی ہے۔ یہاں قتیلؔ شفائی اور صادقؔ مولیٰ کی تصانیف سے ایک ایک بند ملاحظہ فرمائیں ؎

"کالج کی اک لڑکی" (صادق مولیٰ)	"سانولی سی اک عورت" (قتیلؔ شفائی)
ٹھکرا دیتی ہے مجھ سے شادی کا ہر پیغام	بھیج رہی ہو اب تک مجھ کو چاہت کا پیغام
کالج کی اک چنچل لڑکی "مس کڑوی بادام"	سانولی سی اک عورت جس کا مَردوں جیسا نام
وہ لڑکی جس کے ہونٹوں پر ناچیں فلمی گیت	وہ عورت جس کے ہونٹوں پر ناچیں میرے گیت
اپنی بڑھتی بدنامی کو جو سمجھے ہے جیت	جس کی بڑھتی شہرت کو میں سمجھوں اپنی جیت
لیکن پھر بھی میں نے جس کو اپنا بنایا میت	سب دنیا کو چھوڑ کے جس نے مجھے بنایا میت
جس کے فلمی گیت پہ میں دینا چاہوں سنگیت	سنتا ہوں دن رات میں جس کی سانسوں کا سنگیت
چھلکے میرے ذہن پہ اکثر بن کر "کھٹا آم"	چھائے میرے ذہن پہ اکثر بن بن کر الہام

سانولی سی اک عورت جس کا مَردوں جیسا نام کالج کی اک چنچل لڑکی "مِس کڑوی بادام"

سید ضمیر جعفری کی پیروڈی "ریواز کی تصویر" دراصل ایک ہاسٹل اور اس میں ہونے والی ہنگامہ آرائیاں اور ان میں بھی خاص کر کھانے پینے سے متعلق مصروفیات کا احاطہ کرتی ہے اور یہی اس کی خوبی ہے۔ اس خوبی کی تفصیل یوں ہے۔ کہ اصل نظم "تصویرِ کشمیر" از حفیظ جالندھری ہے۔ جس میں انھوں نے وادیٔ کشمیر کی خوبصورتی کو اپنے مخصوص اندازِ بیان میں پیش کیا ہے۔ سید ضمیر جعفری نے اس موضوع کو یکسر بدل کے رکھ دیا ہے۔ کشمیر کی وادیوں سے اُتر کر وہ لاہور کے کالج کے ہوسٹل میں چلے آئے ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ حفیظ کے مخصوص طرزِ ادا کی غمازی کرنے والی نظم پیروڈی میں سید ضمیر جعفری کی انفرادیت بن جاتی ہے۔ جہاں وہ مزاحیہ انداز میں ہوسٹل کے متعلقات کا بیان کر دیتے ہیں۔ یہاں حفیظ جالندھری اور سید ضمیر جعفری کی تخلیقات سے ایک ایک بند مقابلے کے لئے پیش ہے ؎

تصویرِ کشمیر (حفیظ جالندھری)

برف کی اونچائیاں برفاب کی گہرائیاں
رنگ و بُو کی شوخیاں، پھولوں کی بے پروائیاں
سبز قالینوں پہ دیواروں کی بزم آرائیاں
بنتے تنتے، چلتے پھرتے ابر کی پرچھائیاں
آگے پیچھے دوڑنا تاریکی و تنویر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

ریواز کی تصویر (سید ضمیر جعفری)

بلّیاں "زردہ پرورده" ہماری بلّیاں
یہ پلاؤ خور، فیرینی کی ماری بلّیاں
موٹی موٹی پتلی پتلی بھاری بھاری بلّیاں
کاروباری بلّیاں، بے اعتباری بلّیاں
غل ہے جن کے نغمۂ بیتاب و لقمہ گیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے ریواز کی تصویر کا

دلاور فگار کا نام اردو طنز و مزاح کی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے طنز و مزاح کے ایسے شگوفے کھلائے ہیں جن کی مہک سے گلشنِ ادب ہمیشہ محظوظ ہوتا رہے گا۔ دلاور فگار کے یہاں طنز سے زیادہ مزاح کا پہلو اُجاگر ہوا ہے۔ وہ ہلکے پھلکے مزاح سے اشخاص کے دلوں اور ذہنوں کی صفائی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر پیروڈی میں ان کا قلم واضح طور پر طنز کی وادی سے گزرتا ہے اور کامیابی حاصل کرتا ہے۔ ان کی معرکۃ الآرا پیروڈی "ٹیچرس کا شکوہ" ہے۔ یہ اقبال کے "شکوہ" کی کامیاب و تفصیلی پیروڈی [illegible]

ترتیب کے ساتھ پیروڈی کا حصہ بنے ہیں جو اصل تصنیف میں ہیں۔ ساتھ ہی موضوع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا گیا ہے اور جیسا کہ ابتدائی سطور میں بیان کیا گیا کہ شکوہ کا موضوع ایسا ہے کہ متعدد پیروڈیاں لکھی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا دلاور فگار نے بھی ٹیچرس کی زبوں حالی کے لئے شکوے کا انداز بیان ہی چنا۔ اس تصنیف کی حقیقت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ دلآور فگار خود ٹیچر رہے ہیں اور وہ اساتذہ کی پریشانیوں کے ساتھ ساتھ ان کی بگڑتی ہوئی معاشی صورتِ حال سے بخوبی واقف ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ اساتذہ کی تنخواہ روک لی گئی ہے اور اُسے رُکے کئی مہینے گزر گئے ہیں لہٰذا یہ نظم ٹیچرس کی طرف سے اعلیٰ حکام کے سامنے شکوے کا درجہ رکھتی ہے۔ دلآور فگار نے اپنی بات اعلیٰ حکام تک پہنچانے کے لئے اساتذہ کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کو تفصیل کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ انھیں شکوہ ہے کہ اساتذہ جو قوم کے نوجوانوں کو تعلیم دیتے ہیں پستی کا شکار ہیں۔ اس پیروڈی میں وہی بے باکی و دبدبہ ہے جو "شکوہ" سے منسوب ہے۔ یہاں مثال کے لئے اقبال اور دلآور فگار کے شکوؤں سے ایک ایک بند ملاحظہ فرمائیں ؎

علامہ اقبال

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم ❊ پھول تھا زیبِ چمن، پر نہ پریشاں تھی شمیم
شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم ❊ بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم
ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ اُمّت ترے محبوب کی دیوانی تھی

دلآور فگار

یوں تو مدّت سے ہے کالج میں تری ذاتِ قدیم ❊ شرطِ انصاف ہے اے والدِ اولادِ یتیم
ہم نے بویا ہے ترے کھیت میں تخمِ تعلیم ❊ ہم نے ہر دَور میں پیدا کئے بقراط و حکیم
ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ کھانے کی تو مسجد میں بھی آسانی تھی

دلآور فگار کی اس پیروڈی کا جواب موجود ہے۔ اور یہ کاوش ایک ایسے شاعر کی ہے جس کا پیشہ بھی مدرسی رہا ہے۔ وہ شاعر ہیں شہباز امروہوی جو طنز و مزاح کی تاریخ میں ایک منفرد

نام ہے۔ان کی اس اکلوتی پیروڈی کے علاوہ ان کے قطعوں میں اکثر اساتذہ کے اشعار کی پیروڈی مل جاتی ہے۔ مگر وہ خالص پیروڈی نہیں کہے جاسکتے کہ ان کے ساتھ شہباز کے طبع زاد اشعار بھی شامل ہیں۔ان کی یہ پیروڈی جس کا عنوان "جوابِ شکوۂ تنخواہ" ہے خاص اہمیت رکھتی ہے اور دلّاور فگار کی پیروڈی کا مکمل اور جامع جواب ہے۔اس میں انھوں نے اساتذہ میں پائی جانے والی خرابیوں اور بدعنوانیوں کا ذکر کرکے حکامِ اعلیٰ کی اس سزا کو صحیح قرار دینے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے اساتذہ کی تنخواہ روک لی گئی ہے۔ یہ لفظی و موضوعاتی پیروڈی کا خوبصورت متراج ہے۔یہاں بھی اندازِ بیان اور تخاطب کی شان وہی جوابِ شکوہ جیسی ہے۔ان کی اس پیروڈی میں زبان و بیان کی خوبی بھی قابلِ غور ہے۔اُن کی گرفت زبان و بیان پر بہت مضبوط ہے استعارات و تشبیہات میں بھی ندرت ہے۔مدرسی سے متعلق اصطلاحات بھی اس پیروڈی میں شامل ہیں۔اقبال کے بند کے ساتھ شہباز کی پیروڈی کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

علامہ اقبال

پیر گردوں نے کہا سُن کے، کہیں ہے کوئی ٭ بولے سیارے، سرِ عرشِ بریں ہے کوئی
چاند کہتا تھا نہیں، اہلِ زمیں ہے کوئی ٭ کہکشاں کہتی تھی پوشیدہ یہیں ہے کوئی
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھے جنّت سے نکالا ہوا انساں سمجھا

شہباز امروہوی

گیٹ کیپر نے کہا سُن کے کہیں ہے کوئی ٭ تھا پُین کا یہ اشارہ کہ یہیں ہے کوئی
اردلی بولا کہ مغموم و حزیں ہے کوئی ٭ دفتری کہتا تھا مَردود و لعیں ہے کوئی
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو مہتر سمجھا
مجھ کو لونڈوں کا ستایا ہوا ٹیچر سمجھا

رضا نقوی واؔہی کا "پروفیسر نامہ" دراصل "لکچرر نامہ" ہونا چاہیئے کہ انھوں نے ٹیپ کے مصرعے میں اسی لفظ کا استعمال کیا ہے۔مگر شاید نظم کی وسعت کے لئے انھوں نے "پروفیسر نامہ" کا نام ہی مناسب سمجھا ہے۔پیروڈی کے نام سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ یہ

نظیر اکبرآبادی کی نظم "آدمی نامہ" کی پیروڈی ہے۔ "شکوہ" کے بعد سب سے زیادہ اسی نظم کی پیروڈی کی گئی ہے۔ مگر دوسرے شعرار کی کوششوں سے یہ ان معنوں میں مختلف ہے کہ تمام شعرار نے لفظِ "آدمی" کو برقرار رکھا ہے۔ جبکہ واہی نے آدمی کی جگہ لکچرر کر دیا ہے۔ اس پیروڈی میں انھوں نے کالجوں و یونیورسٹیوں کے لکچرروں اور پروفیسروں پر طنز کیا ہے۔ کہیں کہیں مزاح کا پہلو بھی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ لفظی تراش خراش کی عمدہ مثال اس پیروڈی کا ایک بند یہاں نقل کیا جاتا ہے ؎

وہ بھی کہ جس کے علم کی پونجی قلیل ہے ⁂ وہ بھی جو رہِ عمل میں اک سنگِ میل ہے
وہ بھی ہے لکچرر جو ادیبِ جلیل ہے ⁂ وہ بھی ہے لکچرر کہ جو خانِ خلیل ہے
جو اس کی فاختہ ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

واہی نے جوش کی نظم "پروگرام" کی بھی ایک سے زیادہ پیروڈیاں کی ہیں۔ ان میں سماج کے مختلف اشخاص کا پروگرام بیان کیا گیا ہے کہ وہ صبح سے شام تک کہاں کس حالت میں کیا کرتے ہوئے ملیں گے۔ واہی نے اس نظم کی وسعت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اسی لئے انھوں نے لگاتار کئی پیروڈیاں لکھیں۔ اس سیریز میں بڑا صاحب، شاعر، مُلّا، لیڈر و پروفیسر کے پروگرام قابلِ غور ہیں۔ دراصل ان پیروڈیوں کے ذریعے واہی نے ان اشخاص کی خامیوں و کمزوریوں پر طنزیہ وار کئے ہیں۔ اور اس طرح پیروڈی کے فن کا حق ادا کر دیا ہے۔ طوالت کے ڈر کی وجہ سے مثال سے گریز کیا جا رہا ہے۔

شوکت تھانوی نے جس طرح مزاحیہ ناول و افسانے لکھے، اسی طرح مزاحیہ و طنزیہ شاعری پر بھی توجہ صرف کی۔ ان کا مجموعۂ کلام "غم غلط" جہاں طنز و مزاحیہ تخلیقات سے آراستہ ہے وہیں اس میں چند پیروڈیاں بھی ہیں۔ "مومن" اقبال کی مشہور نظم کی اچھی لفظی پیروڈی ہے جس میں انھوں نے مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال پر بھی طنز کیا ہے۔ اقبال نے مومن کی خوبیوں کی طرف توجہ مرکوز کرائی ہے اور بتایا ہے کہ ایک سچے مومن میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔ شوکت نے پیروڈی لکھتے وقت اس بات کا بطورِ خاص دھیان رکھا ہے کہ اقبال کی خوبیوں سے بالکل مخالف خوبیاں گنوائی جائیں۔ اگر حقیقت کی آنکھ سے دیکھا جائے تو شوکت تھانوی کے زمانے کا "مومن" انہی خرابیوں کا شکار ہے۔ جن کا ذکر انھوں نے اس پیروڈی میں کیا ہے۔ اور

بہت ممکن ہے کہ جنّت میں مومن کے کردار میں بھی وہی تبدیلی آئے جس کی شوکت تھانوی کو توقع ہے۔

شکوہ ہے فرشتوں کو کم آمیز ہے مومن ؛ حوروں کو شکایت ہے بہت تیز ہے مومن

اس پیروڈی کے علاوہ ہمارے انتخاب میں شامل چند متفرق اشعار، چند مشہور اساتذہ کی پیروڈیوں پر مشتمل ہیں۔ یہ اشعار دراصل ان کے ناولوں اور افسانوں وغیرہ میں وقتِ ضرورت استعمال کیے گئے ہیں۔ غالبؔ کے اشعار کی پیروڈی زیادہ کی گئی ہے۔ ان پیروڈیوں میں طنز کے مقابلے مزاح کا عنصر غالب حیثیت رکھتا ہے بلکہ انھیں خالص مزاحیہ پیروڈیاں کہا جا سکتا ہے۔

حفیظ جالندھری کی نظم "ابھی تو میں جوان ہوں" اپنی رومانیت، جذباتیت اور زبان و بیان کی خوبی کی وجہ سے کافی مشہور رہی ہے۔ ساتھ ہی گلوکاروں نے اِسے پیش کرکے عوام میں بھی مقبول بنادیا ہے۔ خاص کر "ابھی تو میں جوان ہوں" کا مصرعہ بار بار دہرائے جانے سے اس میں جو غنائی کیفیت پیدا ہوگئی ہے وہ بھی قابلِ غور ہے۔ ظریف جبلپوری نے اپنی پیروڈی کے لئے اِسی نظم کو چنا ہے۔ اُن کا رُخ اس بڑھتی ہوئی جذباتیت کے خلاف ہے جو اس نظم کا طرّہ امتیاز ہے۔ لہٰذا اس کو زیادہ سے زیادہ مضحکہ خیز بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایسا کرنے میں انھیں زیادہ کامیابی نہیں ملی ہے۔ مگر فرقتؔ کاکوروی کی مانند وہ سیلاب میں بہنے سے بچ گئے ہیں۔ خوبی اس نظم کی یہ ہے کہ عشقیہ موضوعات کا مذاق اُڑانے کے لئے ان ہی موضوعات کا سہارا لیا گیا ہے ساتھ ہی اس میں وہی روانی اور ترنّم ہے جو اصل نظم کی خوبی مانی جاتی ہے۔

سلیمان خطیب حیدر آبادی لب ولہجہ کے منفرد طنز و مزاحیہ شاعر ہیں۔ دکنی لب ولہجہ کے علاوہ انھوں نے خالص اردو زبان میں بھی چند عمدہ تخلیقات پیش کی ہیں۔ ان کے یہاں سنجیدہ طنز و اصلاحی اندازِ بیان کی بہتات ہے جس کی بدولت اکثر تخلیقات میں وہ واعظ بن جاتے ہیں۔ مگر ان کی پیروڈیوں میں یہ خامی نہیں۔ یہ لفظی و معنوی پیروڈیوں کی عمدہ مثال ہیں۔ یہاں ان کا اصل مقصد طنز ہے۔ "بے چارگی" میں یہ طنز لطیف تنقید کی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔ یہ مخدوم محی الدین کی نظم "چارہ گر" کی کامیاب ترین پیروڈی ہے۔ اس پیروڈی میں ان کے موضوع کا رُخ غُربت اور بڑھتی ہوئی بھک مری کی طرف ہے۔ یہ پیروڈی اتنی پُراثر ہے کہ عام ذہن رکھنے والے قاری کو بھی متاثر کرتی ہے۔ نظم کی عشقیہ کیفیات کو چند الفاظ کی تبدیلی سے سماجی طنز کی طرف

موڑ دیا گیا ہے۔ یہاں نظم کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمائیں۔ اصل نظم بہت مشہور ہے لہٰذا اس کا نمونہ نہیں دیا جا رہا۔ ؎

میکدے سے ذرا دُور
اُس موڑ پر
ایک غلّے کی اُونچی دوکان کے تلے
چند بھوکے کھڑے تھے

بڑی دیر سے
چلچلاتی ہوئی چیل سی دھوپ میں
بدنصیبی کے لٹکوے ہوئے رُوپ میں

سلیمان خطیب کی ایک اور پیروڈی ہمارے انتخاب میں شامل ہے وہ بھی مخدوم محی الدین کی نظم کی ہی ہے۔ یہ پیروڈی گلبرگہ میں پانی کی قلّت سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔ "بند ہوئے نل چلو" کے عنوان سے یہ پیروڈی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں واقعہ کی تمام تر مضحکہ خیزی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مخدوم کی نظم "چاند تاروں کا بن" اور اس کی متعلقہ پیروڈی میں موضوعات کا تضاد بھی قابلِ غور ہے۔

ماچس لکھنوی کی نظم "شکوۂ شکر" اقبال کے "شکوہ" کی عمدہ پیروڈی ہے یہ الگ بات ہے کہ یہاں موضوع میں وہ آفاقیت نہیں پائی جاتی جو اس سے پہلے شکوہ کی پیروڈیوں میں پائی جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ شکوے کی پیروڈی کو آخیر تک نبھا نہیں پائیں گے۔ مگر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے نہ صرف ایک چھوٹے سے موضوع کو وسعت دے دی ہے بلکہ شکوے کے اکثر بند پیروڈی کے لئے استعمال کئے ہیں۔ انھیں الفاظ کے ردو بدل میں بھی کوئی دشواری بظاہر پیش نہیں آئی ہے۔ جیسا کہ لکھا گیا ان کی پیروڈی کا موضوع شکر کی قلّت ہے۔ یہاں بازار میں چینی کی قلّت پر شکوہ کیا گیا ہے۔ اندازِ بیان سے ایسا لگتا ہے جیسے شکوہ کرنے والا غریب کسان ہے۔ جس نے گنّے کی کاشت کر کے شکر کی بنیاد ڈالی ہو مگر آج وہ خود ہی اس سے محروم ہے یوں یہ ایک اچھی پیروڈی ہے۔ مگر سید محمد جعفری، شہباز، دلاور فگار کی پیروڈیوں سے اس کا رتبہ

کم ہے۔ یہاں پیروڈی کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں ؎

حسرتِ وصل میں تکنے بھی لئے دام پھرے ✿ اور دوکان سے راشن کی جو ناکام پھرے
مضطرب ہجر میں تیرے سحر و شام پھرے ✿ بڑی دوکانوں پہ لے کے ترا نام پھرے
چھوٹے چھوٹے بھی دوکاندار نہ چھوڑے ہم نے
چور بازار میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

طالب خوندمیری کا شکوہ موضوع کی وسعت اور سنجیدگی کی بدولت اس انتخاب میں جگہ بنا پایا ہے۔ اردو کو جائز حقوق دلانے کی تحریک آزادی کے فوراً بعد سے چل رہی ہے۔ مگر اس میں کامیابی خال خال ہی نظر آتی ہے۔ طالب خوندمیری نے "شکوہ" کی پیروڈی کے ذریعے۔ اردو کا اپنے وطن سے شکوہ لکھا ہے۔ اس میں موضوع کی وسعت کے ساتھ ساتھ طنز کی شان بھی قابلِ غور ہے اور اسی لئے ماچس لکھنوی کی پیروڈی پر سبقت لے گئی ہے۔ شاعر نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ اردو کے ساتھ کی جانے والی ناانصافیوں اور تعصب کا بیان واضح طور پر کر دیا جائے مگر اکثر اشعار میں موضوع کی طرف دھیان دینے کی وجہ سے فن پر گرفت کمزور ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی قدرتِ بیان کی کمی بھی موجود ہے۔ مگر ان سب کے باوجود پیروڈی کی اہمیت اس کے موضوع سے ہے جو بہت ضروری اور بروقت ہے۔ یہاں اردو کے حق کے لئے لڑنا شاعر کا اولین مقصد ہے یہاں مزاح سے زیادہ طنز کی گرفت ہے۔ ؎

تیری دھرتی پہ ہیں جب سے کئی اقوام مقیم ✿ تیرے تہذیب و تمدن ہیں زمانے میں قدیم
مجھ سے پیدا ہوا لوگوں میں مگر ذوقِ سلیم ✿ یوں تو موجود یہاں کتنی زبانیں تھیں قدیم
مجھ سے بس اہلِ تعصب کو پریشانی تھی
ورنہ دنیا مرے اسلوب کی دیوانی تھی

شفیق فاطمہ شعریٰ کا نام جدید شاعری میں جانا پہچانا ہے۔ "آئینہ" مئی ۱۹۵۵ء کے شمارے میں ان کی ایک پیروڈی چھپی ہے جو لفظی پیروڈی کی عمدہ مثال ہے۔ اور اسی لئے ہمارے انتخاب میں شامل ہو پائی ہے۔ "سبزی بازار" کے عنوان سے یہ پیروڈی مخمور جالندھری کی نظم "گرمیٔ بازار" سے منسوب ہے۔ یہ پیروڈی جدید نظم کے ہیئت و اسلوب دونوں پر طنزیہ وار

کرتی ہے۔ خاص کر مخمور جالندھری کی نظم میں بڑھتی ہوئی جنسیت کو مضحکہ خیز بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصل اور پیروڈی سے دو دو بند نقل کئے جاتے ہیں۔ ؎

سبزی بازار (شفیق فاطمہ شعریٰ)	گرمیٔ بازار (مخمور جالندھری)
ایک بکری، نام جمّی، خوبصورت، بھولی بھالی	ایک لڑکی۔ نام ہِپّی، پھول چہرہ، جسم کیاری
رنگ بھورا، خوش گلو، خوش فعل، بانکی	اس کے تن سے چھُو کر بن جاتے ہیں جادو
گھر سے باہر لوٹ، چوری، گھر میں کرتی ہے جگالی	ریشمی شلوار ہو، کُرتا ہو، جمپر ہو یا کہ ساری
دیکھ کر سبزی فروش اس کو سنبھل کر بیٹھ جائیں	گزرے جس کوچے سے پیدا کھڑکیوں میں ہوں نگاہیں
جیسے دل ہی دل میں اپنے کہہ رہے ہوں	پہلوؤں میں آرزوئیں لیں پھریری
تو قریب آ تو سہی شیطان، مزا تجھ کو چکھائیں	وہ مقام آئے نگاہیں بھی جہاں بنتی ہیں بانہیں

عاشق محمد غوری کی پیروڈی "کتا" کے بعد "سبزی بازار" اسی معیار کی پیروڈی ہے جس میں عشقیہ موضوعات کو بدل کر انھیں جانوروں (کتا۔ بکری) کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔

للتا کماری کی پیروڈی بھی "آئینہ" کی فائل سے دستیاب ہوئی ہے جون ۱۹۵۵ء کے شمارے میں شائع "زندگی" عنوان کی پیروڈی جذبی کی مشہور نظم "موت" کی بہترین لفظی و معنوی پیروڈی ہے۔ اس کی خصوصیت موضوعات میں پنہاں ہے۔ یہ موضوعات عورتوں کی روزمرّہ زندگی سے متعلق ہیں۔ اس میں عورتوں کے محاوروں کی پاسداری بھی کی گئی ہے۔

گوپی ناتھ امن کی مشمولہ پیروڈی میر تقی میر کی مشہور غزل "اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں" کی عمدہ پیروڈی ہے۔ خوبی یہ ہے کہ انھوں نے عشقیہ غزل کو سیاسی رنگ دے دیا ہے اور لیڈرانِ قوم اور انتخابات کی خرابیوں پر کامیاب طنز کیا ہے۔

مقطر مجاز کی پیروڈیاں "کہہ مکرنیاں" امیر خسرو سے منسوب کہہ مکرنیوں کی عمدہ پیروڈیاں ہیں۔ مزاح پیدا کرنے کے لئے انھوں نے "جنسیت" کو بطور آلہ استعمال کیا ہے۔ ذو معنی بیانات کا حسین امتزاج بھی ان پیروڈیوں کو اس انتخاب میں شامل کرنے کا باعث بنا ہے۔

———— ※ ————

کچھ پیروڈی کے بارے میں

ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں وہ حالات ہی دراصل ان حالات کی پیروڈی ہیں۔ جن سے ہم کبھی گذر چکے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ زندگی جتنی بسر کرنا تھی وہ تو بسر کر چکے۔ اب زندگی کی پیروڈی کر رہے ہیں ۔ ان حالات میں جب انسان خود اپنا ہی کارٹون بن گیا ہے ۔ اور جب اس کا اسلوبِ زندگی بجائے خود پیروڈی ہے اسی کے پچھلے اسلوبِ زندگی کی، اس سے کسی پیروڈی کی کیا اُمید ہو سکتی ہے ۔ پیروڈی کرنا وہ فن ہے جس کا فن کار اگر جیل اور موت دونوں سے بچ گیا تو خود اپنے اسی فن کا شاہکار بن کر رہ جاتا ہے اور اس کی کسی کاوش پر نہیں بلکہ خود اسی پر دنیا ہنسنے لگتی ہے ۔

شوکت تھانوی

کنہیالال کپور

لگائی

(فیض احمد فیضؔ کی نظم "تنہائی" کی پیروڈی)

٭

فون پھر آیا دلِ زار! نہیں فون نہیں
سائیکل ہوگا کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات اُترنے لگا کھمبوں کا بخار
کمپنی باغ میں لنگڑانے لگے سرد چراغ
تھک گیا رات کو چلّا کے ہر اک چوکیدار
گُل کرو دامنِ افسردہ کے بوسیدہ داغ
یاد آتا ہے مجھے سُرمۂ دنبالہ دار
اپنے بے خواب گھروندے ہی کو واپس لوٹو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا

- - -

بدلہ

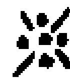
(ن۔م۔ راشد کی نظم " بدلہ " کی پیروڈی)

آمری جان مرے پاس انگیٹھی کے قریب
جس کے آغوش میں یوں ناچ رہے ہیں شعلے
جس طرح دُور کسی دشت کی پنہائی میں
رقص کرتا ہو کوئی بھوت کہ جس کی آنکھیں
کِرمِ شب تاب کی مانند چمک اُٹھتی ہیں
ایسی تشبیہہ کی لذّت سے مگر دُور ہے تو
تو کہ اک اجنبی انجان سی عورت ہے جسے
رقص کرنے کے سوا اور نہیں کچھ آتا
اپنے بے کار خدا کی مانند

دوپہر کو جو کبھی بیٹھے ہوئے دفتر میں
خودکُشی کا مجھے یک لخت خیال آتا ہے
میں پکار اُٹھتا ہوں یہ جینا بھی ہے کیا جینا

اور چپ چاپ دریچے میں سے پھر جھانکتا ہوں

آمری جان مرے پاس انگیٹھی کے قریب
تاکہ میں چوم ہی لوں عارضِ گلفام ترا۔
اور اربابِ وطن کو یہ اشارہ کر دوں
اس طرح لیتا ہے اغیار سے بدلہ شاعر
اور شبِ عیش گزر جانے پر
بہرِ جمع دام و دام نکل جاتا ہے۔
ایک بوڑھے سے تھکے ماندے سے رہوار کے پاس
چھوڑ کر بسترِ سنجاب و سمور



مسٹر دہلوی

ماڈرن بنجارہ نامہ

(نظیر اکبر آبادی کی نظم "بنجارہ نامہ" کی پیروڈی)

اے آدم اس سی بنڈ چھوڑ ایہ نفس تیرا ہے امّارہ ❖ دیکھے گا اجل کی شکل جونہی ہوگا یہ وہیں نو دو گیارہ
کیا وارے نیارے ہر دم کے ہر آن کی کیا یہ پو بارہ ❖ کیا ہُنڈی، چیک بک، بونڈ، شیئر کیا نوٹوں کا یہ پشتارہ
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

گو چومتے ہیں سب ہاتھ ترے اور تو ہے بڑا ہی مولانا ❖ مت بھول کہ غافل تجھ کو بھی اک روز یہاں سے ہے جانا
کیا بکرے، نقدی، شیرنی، کیا نذر، نیاز اور نذرانہ ❖ کیا دعوت صبح و شام تری، کیا مرغ مُسلّم روزانہ
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

تو سب سے بڑا انجنیئر ہے مشہور ہے تیری کاریگری ❖ آکاش کو چھوتی بلڈنگ ہے پاتال میں ہے تعمیر بڑی
کیا بند ہے گہرے ساگر میں، کیا کوہ و دمن میں پل ہے تری ❖ کیا روغن، رنگ اور ڈسٹمپر کیا لوہا سیمنٹ اور لکڑی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

ہاں تُو ہے بڑے گھر کی بیگم چلتا ہے اشارے پہ شوہر ❖ ہے گھی میں پانچوں انگلیاں تر کل ہوگا کڑاہی میں بھی سر
کیا بنگلے، موٹر، فرنیچر اک ایک قدم پر اک نوکر ❖ کیا کپڑے لتّے اور زیور، کیا ہاتھ ہلے بن لقمۂ تر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

لیڈر ہی سہی تو چوٹی کا مضبوط سہی تیرے پھندے ✧ سُن مرغِ اجل کی بانگ تری اسکیم کے انڈے ہوں گندے
کیا دَورے جلسے تقریریں کیا شہرت، نعرے اور چندے ✧ کیا سازش اور گٹھ جوڑ تری کیا پرمٹ ٹنڈر کے دھندے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

سب تجھ کو مسیحا کہتے ہیں اور دَر پر بھیڑ اکٹھی ہے ✧ رکھ یاد مسیحائی بھی تری اک دھوکے ہی کی ٹٹّی ہے
کیا جان بچاؤ اَدویہ کیا مکسچر کڑوی کھٹی ہے ✧ کیا کایا کلپ کے انجکشن، کیا نشتر، مرہم پٹّی ہے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

سرکار میں تو اک افسر ہے ہیبت بھی ہے چاروں طرف تری ✧ آیا جو اجل کا ڈی۔او تو رہ جائیگی ساری دھونس دھری
کیا افسر تیرے اور کلرک، اسٹینو، پی۔اے سیکریٹری ✧ کیا چوکی پہرہ چاروں طرف کیا آگے پیچھے اردلی

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

سائنس میں ہے شہرت جو تری رکھ ذہن میں تو بھی یہ پیارے ✧ دنیا میں کہلاتا آگ ہے جو ہگتا ہے وہ بھی انگارے
کیا ایٹم اور ہائیڈروجن بم کیا گیس بھرے یہ غبارے ✧ کیا راکٹ اور خودکار میزائیل کیا یہ طفیلی سیارے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

یہ شعر و سخن کی دنیا میں تیری ہی اجارہ داری ہے ✧ ہر شعر تو کیا مصرعہ بھی ترا دیواں پہ عدو کے بھاری ہے
کیا شعر کی ہر شب محفل ہے کیا تیری خاطر داری ہے ✧ کیا موٹی موٹی رقمیں ہیں کیا داد کی گولہ باری ہے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

———— ※ ————

بیویاں

(نظیر اکبر آبادی کی نظم "روٹیاں" کی پیروڈی)

سسرال میں جو میکے سے آتی ہیں بیویاں ٭ سو سو طرح سے دھوم مچاتی ہیں بیویاں
کھانے مزے مزے کے پکاتی ہیں بیویاں ٭ جینے کا جو مزہ ہے چکھاتی ہیں بیویاں
کچھ دن تو خوب عیش کراتی ہیں بیویاں
پھر اس کے بعد خون رلاتی ہیں بیویاں

شادی شدہ حیات کی دیکھی یہ ابتدا ٭ شوہر ہزار جان سے بیوی پہ ہے فدا
اس احمقانہ فعل کی پاتا ہے یہ سزا ٭ رہتا ہے تا حیات وہ بیوی تلے دبا
چھنگلی پہ شوہروں کو نچاتی ہیں بیویاں
کھایا چھٹی کا یاد دلاتی ہیں بیویاں

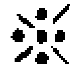
کہتی ہے بیوی اس کو مجازی ہو تو خدا ٭ حاکم ہے تو سوامی ہو، سرتاج ہو مرا
پھر رفتہ رفتہ اس کا گھٹاتی ہیں مرتبا ٭ کرتی ہے انتہا میں خصم کا لقب عطا
مردوں کو بودم ایسے بناتی ہیں بیویاں
سر پر چڑھا کے قدموں میں لاتی ہیں بیویاں

چھوڑے کسی نے بال ہیں بیوی کے واسطے ٭ کچھ جمع کرتے مال ہیں بیوی کے واسطے
کچھ رات دن نڈھال ہیں بیوی کے واسطے ٭ پالے یہ سب بال ہیں بیوی کے واسطے

اتنے جتن سے گھر میں جو آتی ہیں بیویاں
چودہ طبق میاں کو دکھاتی ہیں بیویاں

مسٹر نے مولوی سے کہا ضد نہ کیجئے ٭ دیدارِ ٹیڈی گرل سے کچھ لطف لیجئے
بولے کہ یہ عمود و مثلث یہ زاویئے ٭ تہذیب شرق کے ہیں یہ دراصل چھیتھڑے

ان چیتھڑوں کا دام بچھاتی ہیں بیویاں
ان ہی میں شوہروں کو پھنساتی ہیں بیویاں



قاضی غلام محمد

او دیس سے آنے والے بتا

(اختر شیرانی کی نظم "او دیس سے آنے والے بتا" کی پیروڈی)

او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی وہاں ہر گنجا سر ❖ اسکالر سمجھا جاتا ہے
کیا اب بھی وہاں کا ہر ایم' اے ❖ غالب پر کچھ فرماتا ہے
اور جہل کی ظلمت میں کھو کر ❖ اقبال سے بھی ٹکراتا ہے
او دیس سے آنے والے بتا

※

کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں ❖ احباب کنارِ دریا پر
بیوی کے کپڑے دھوتے ہیں ❖ شاداب کنارِ دریا پر
اور پیار سے آ کر جھانکتا ہے ❖ مہتاب کنارِ دریا پر
او دیس سے آنے والے بتا

❖

کیا اب بھی وہاں کا ہر شاعر ❖ تنقید کا مارا ہے کہ نہیں
اِفلاس کی آنکھوں کا مارا ❖ وہ راج دلارا ہے کہ نہیں
اور اہلِ دول کی نظروں میں ❖ وہ اک گھسیارا ہے کہ نہیں
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب اندھیری راتوں میں ❖ کلچر کی حجامت ہوتی ہے
سڑکوں پہ تعارف سے پہلے ❖ آپس میں محبّت ہوتی ہے
بے شرم موٹاپا ہوتا ہے شرمیلی نزاکت ہوتی ہے
او دیس سے آنے والے بتا

کیا قوم کے غم میں اب بھی وہاں ❖ وہ جلسے اکثر ہوتے ہیں
کیا اب بھی وہ فرصت کے شاکی ❖ موجود ڈنر پر ہوتے ہیں
جو کاروں میں گھُوما کرتے تھے ❖ کیا اب بھی وہ لیڈر ہوتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

آخر میں یہ حسرت ہے کہ بتا ❖ ریحانہ کے کتنے بچّے ہیں
ریحانہ کے "وہ" کس حال میں ہیں ❖ کیا اب بھی وہ پنشن پاتے ہیں
کچھ بال تو تھے جب میں تھا وہاں ❖ کیا اب وہ مکمل گنجے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

——— ❋ ———

موت

(جذبی کی نظم "موت" کی پیروڈی)

واعظ :۔

اپنے چہرے پہ نباتات اُگالوں تو چلوں
یعنی بال
عطر کچھ مَل لوں، ذرا خود کو سجالوں تو چلوں
مرغ، بریانی، دہی، قورمہ کھالوں تو چلوں
اور پھولا ہوا یہ پیٹ چھپالوں تو چلوں

وزیر :۔

اک شبستانِ تمنّا ہے جہاں کچھ بھی نہیں
بَر نہ آئی ہوئی اُمیدوں سے ہوں غم آگیں
اف یہ پھیلی ہوئی شاداب و خوش آئند زمیں
اس پہ دو چار محل اور بنالوں تو چلوں

شوہر :۔

وہ کہاں مرگئی، آئی تھی ابھی اور چلدی
گھر میں سب ختم ہے بازار سے لاؤں ہلدی
کسی خیراتی شفا خانے میں جاکر جلدی

اپنے ننھے کو میں اِنڈور کرالوں تو چلوں

کلرک :۔

رات بھر جاگ کے رف ڈرافٹ بنالوں جاکر
اپنے رُوٹھے ہوئے صاحب کو منالوں جاکر
اور رخصت وہیں منظور کرالوں جاکر
پھر ڈبل روٹی کے دو ٹوسٹ بھی کھالوں تو چلوں

مسٹر :۔

ڈرائی کلینر سے وہ پتلون جو آئی ، لانا
جو ڈبل ریٹ پہ آئی ہے دُھلائی ، لانا
پن لگاکر وہ جو ٹائی ہے (پرائی) لانا
میں ذرا اپنی اٹیچی کو سنبھالوں تو چلوں

نیا آدمی نامہ

(نظیر اکبرآبادی کی نظم "آدمی نامہ" کی پیروڈی)

جو سینیر بنے ہیں سو ہیں وہ بھی آدمی ؛ مغرور ہیں، بڑے ہیں سو ہیں وہ بھی آدمی
فری شپ جو پا رہے ہیں سو ہیں وہ بھی آدمی ؛ محروم جو رہے ہیں سو ہیں وہ بھی آدمی
باقی ہیں جن کے ڈیوز سو ہیں وہ بھی آدمی

جس کی لغت میں آج نہیں ہے کلرک ہے ؛ ہر دم جو یونہی چیں بہ جبیں ہے کلرک ہے
"کل آؤ" جس کا مسلکِ دیں ہے کلرک ہے ؛ روٹین کا جو مردِ امیں ہے کلرک ہے
پر حُسنِ اتفاق سے یہ بھی ہے آدمی

پالا کہ جس غریب کا آلو سے ہے پڑا ؛ معدے کا جس کے فعل کبھی کا بگڑ چکا
جس نامراد کا ہے خمیری سے واسطہ ؛ صد چاک جس غریب کا ہے جابجا گلا
اور پھر بھی جی رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

کھانا سمیٹنے کا اسے ہر گھڑی ہے غم ؛ اشیاءِ خوردنی پہ یہ گرتا ہے مثلِ بم
"ایمان حرص" اس کے ہی چہرے پہ ہے رقم ؛ جو اس کا نام لوں میں تو کھل جائے یہ بھرم
بیرا ہے جس کا عرف سو ہے وہ بھی آدمی

چہرے پہ ان کے دُبکی ہوئی ایک رات ہے ؛ ان کے لئے یہ حاصلِ کُل کائنات ہے
اس سے زیادہ لطف کی یہ واردات ہے، ؛ اے دل مگر یہ کان میں کہنے کی بات ہے

داڑھی بڑھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

شہرِ نجوم ان کی بھی آماجگاہ ہے ❖ مہتاب کی پری پہ بھی ان کی نگاہ ہے
مفلس ہیں اور چاند ستاروں کی چاہ ہے ❖ کس درجہ خستہ حال ہیں حالت گواہ ہے
شاعر ہیں ان سے ملئے کہ ہیں یہ بھی آدمی

ان کو نہ لفٹ شعر کی دیوی نے دی کبھی ❖ ملنے جو یہ گئے تو وہ پردے میں جا چھپی
اللہ رے ان کی دست درازی کی تیزی ❖ ساڑھی ادب کی سات جگہ سے ہی پھاڑ دی
نقاد ان کو کہتے ہیں یہ بھی ہیں آدمی



عاشق محمد غوری

کتّا

(صادق قریشی کی نظم "سلمیٰ" کی پیروڈی)

میں نے اک دن کھیر پکائی
اس کی خوشبو پاکر آیا
کتّا

کتّا شرم وحیا سے عاری
پیکر تھا اک حرص و ہوا کا
کتّا

جانے کب چپکے سے کتّا
آگیا سب کی آنکھ بچا کر
اندر

سب کھانوں سے دھیان ہٹا کر
میری تھی جو کھیر کی تھالی
کھالی

کتّے! خوب رہا یہ دھوکا
تم نے تو اک چیز ہے چاٹی
نقلی
کھیر ہے اندر الماری میں
تھالی میں تھی پیچ جمالی
یونہی
اس کو نہیں کتّوں کا کھٹکا
ہمّت ہے تو اس کو اُڑاؤ
آؤ

——— ※ • ———

او دیس سے آنے والے بتا

(اختر شیرانی کی نظم "او دیس سے آنے والے بتا" کی پیروڈی)

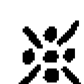
او دیس ۔ سے آنے والے بتا

برسات میں دلدل بنتے ہیں سب کوچہ و بازار اب کہ نہیں
کیچڑ میں لت پت ہوتے ہیں پیراہن و شلوار اب کہ نہیں
دو چار قدم جو چلتا ہے گرتا ہے وہ سَو بار اب کہ نہیں
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی وطن کی گلیوں میں راتوں کو کتے بھونکتے ہیں
اور اُن کی عف عف، بھوں بھوں سی بیچارے بچے چونکتے ہیں
کیا اب بھی سلمیٰ کے دادا دن رات دمے میں ہونکتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی سحر دم، کچھ جُوتے مسجد سے چرائے جاتے ہیں
بیچارے نمازی بے جُوتے چُپ چاپ گھروں کو آتے ہیں
رستے میں کوئی مل جائے انھیں تو جھینپتے ہیں کتراتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

کیا اب بھی وطن میں ویسے ہی شام اور سویرا ہوتا ہے
کیا دن کو روشنی ہوتی ہے راتوں کو اندھیرا ہوتا ہے
اور مچھلیوں کا دریا میں یا پیڑوں پہ بسیرا ہوتا ہے
او دیس سے آنے والے بتا

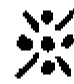


ہمدردی

(اقبال کی نظم "ہمدردی" کی پیروڈی)

گوشے میں کسی کھنڈر کے تنہا ⁂ مُلّا تھا کوئی اُداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی ⁂ جوئیں چُننے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح اب مکاں تک ⁂ ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سُن کے مُلّا کی آہ و زاری ⁂ اُلّو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے ⁂ احمق ہوں اگر میں تہی سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری ⁂ میں پیش بہ گھونسلہ کروں گا
اللہ نے مجھ کو دی ہے منزل ⁂ اک رات یہیں کرو بسیرا

اُلّو ہیں وہی جہاں میں اچھّے
آتے ہیں کام جو دوسروں کے



سید محمد جعفری

جب لاد چلے گا بنجارہ

(نظیر اکبر آبادی کی نظم "بنجارہ نامہ" کی پیروڈی)

جب وفد بنا کر چودھریوں کا لے جاتا ہے طیّارہ ÷ کچھ اس میں افسر جاتے ہیں کچھ بیوپاری کچھ ناکارہ
ایکسچینج انھیں دے دیتا ہے یہ ملک ہمارا بیچارہ ÷ ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

یہ کیسا دَورہ آن پڑا ہے یونہی یا سرکاری ہے ÷ یہ ملک اور قوم کی خدمت ہے یا لالچ کی بیماری ہے
اے حُبِّ وطن سے بیگانے ڈالر سے جو تیری یاری ہے ÷ "گر تو ہے لکھی بنجارہ اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے"
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

جس محفل میں تو جاتا ہے وہ اہلِ خرد کی محفل ہے ÷ تو صرف وزارت کرتا ہے اور صرف اسی کے قابل ہے
جو لبِّ لباب ہے کام نہیں اس کام کے اوپر مائل ہے ÷ دورانِ سفر گر ٹوٹ گئی کابینہ جس میں شامل ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

مانا تو بڑا ہی شاطر ہے اور اس سے بڑا بیوپاری ہے ÷ پر دیکھ تو تیرے ملک میں کیا افلاس ہے کیا ناداری ہے
اور تو ہے ذخیرہ باز بڑا، لالچ کی تجھے بیماری ہے ÷ چیزوں کی جو قیمت زیادہ ہے یہ تیری صنعت کاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

امپورٹ کے بوگس پرمٹ اور یہ سودے رشوت خوری کے ❖ پھر آزادی کا نام بھی ہے اور دعوے خود مختاری کے
یہ چند ٹکوں کے بدلے میں نیلام تری خودداری کے ❖ جب موت کا ڈیرہ آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

اس نفع خوری کے چکر میں تو حج کرنے جب جائیگا ❖ پیتل جو پہن کر جائیگا سونے سے بدل کر لائے گا
کسٹم سے تو بچ کے نکلے گا اور حاجی بھی کہلائیگا ❖ قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گرائے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

ان دھندوں میں ان پھندوں میں سب عمر تری کٹ جائیگی ❖ سر پر جو یہ دُھن کی بدلی ہے اک بارش میں چھٹ جائیگی
یہ دولت جھٹ پٹ آئی ہے یہ دولت جھٹ پٹ جائیگی ❖ یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصّوں میں بٹ جائیگی

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

اے دوست ترا اہم درس تھا میں تو کالج میں تھا ناکارہ ❖ تھا باپ جو دولت مند ترا کرتا تھا شکایت بے چارہ
کہتا تھا یہ لڑکا دنیا میں اک روز پھریگا آوارہ ❖ اب ماہ وشانِ یوروپ ہیں تو ان کا طفیلی سیارہ

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

آزاد ممالک کی وہ فضا اور اچھا تیرا چال چلن ❖ بدنام ہوئی ہے قوم تری رسوا ہے جہاں ہے تیرا وطن
یہ دُھن کہ کراچی میں بھی مکاں اور اس میں اک پیرس کی دلہن ❖ "کیا مندر مسجد تال کنویں کیا گھاٹ سرا کیا باغ چمن"

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارہ

❋

گوشت کا مرثیہ

(اقبال کی نظم "شکوہ" کی پیروڈی)

گوشت خوری کیلئے ملک میں مشہور ہیں ہم ✤ جب سے ہڑتال ہے قصابوں کی مجبور ہیں ہم
چار ہفتے ہوئے قیلے سے بھی مہجور ہیں ہم ✤ نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا شکوۂ اربابِ وفا بھی سُن لے
خوگرِ گوشت سے سبزی کا گلہ بھی سُن لے

آ گیا عین ضیافت میں اگر ذکرِ بٹیر ✤ اُٹھ گئے میز سے ہونے بھی نہیں پائے تھے سیر
گھاس کھا کر کبھی جیتے ہیں نیستاں میں بھی شیر ✤ تو ہی بتلا ترے بندوں میں ہے کون ایسا دلیر

تھی جو ہمسائے کی مرغی وہ چُرائی ہم نے
نام پر تیرے چھُری اس پہ چلائی ہم نے

سرِ محفل مجھے کہتے ہوئے آتا ہے حجاب ✤ کہ خفا گردنِ بُز سے ہوئی تیغِ قصاب
گوشت ملتا نہ تھا آلو کے بنائے ہیں کباب ✤ مُرغ و ماہی ہوئے منڈی میں بھی اتنے کمیاب

جلد پہنچا جو وہاں چل دیا مُرغا لے کر
آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر

شہر میں گوشت کی خاطر صفتِ جام پھرے ✤ ہم پھرے، جملہ اعزہ پھرے، خدام پھرے
جس جگہ پہنچے اُسی کوچے سے ناکام پھرے ✤ محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے

شب میں چڑیوں کے بسیرے بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

ہوگئی قورمے اور قلیے سے خالی دنیا ❊ رہ گئی مُرغ پلاؤ کی خیالی دُنیا
گوشت رخصت ہوا دالوں نے سنبھالی دنیا ❊ آج کل گھاس کی کرتی ہے جگالی دُنیا

طعنِ اغیار ہے رسوائی و ناداری ہے
کیا ترے ملک میں رہنے کا عوض خواری ہے

———— ❊ ————

وزیروں کی نماز

(اقبال کی نظم "شکوہ" کی پیروڈی)

عیدالاضحٰی کی نماز اور وہ انبوہِ کثیر ✤ جبکہ اللہ کے دربار میں تھے پاک وزیر
وہ مصلّوں پہ مسلّط تھے بہ حُسنِ تقدیر ✤ تھے ریزروان کے مصلّے یہ مساوات کبیر
آج کل یہ ہے نماز اور کبھی وہ تھی نماز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

صفِ اوّل میں کھڑے تھے جو خدایانِ مجاز ✤ یہ امیر اور یہ غریب اور یہ نشیب اور یہ فراز
تجھ سے اے خالقِ کل چھپ نہیں سکتا ہے یہ راز ✤ تو حقیقی وہ مجازی، مجھے دونوں سے نیاز
آگ تکبّر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
کبھی رکھتے ہی نہیں اور کبھی رکھتے ہیں

پہلی صف میں وہ کھڑے تھے کہ جو تھے بندہ نواز ✤ سلسلہ بھی تھا صفوں اور قطاروں کا دراز
قربِ حکام کے جویا تھے بہم جنگ طراز ✤ آگیا عین لڑائی میں مگر وقتِ نماز
ایسی گڑبڑ ہوئی برپا کہ سبھی ایک ہوئے
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

نیشنل گارڈز بڑھے معرکہ آراؤں میں ✤ جا کے نادانوں میں لڑتے کبھی داناؤں میں
ایک شاعر بھی چلے آئے تھے شیداؤں میں ✤ جیسے اِک رندِ خرابات ہو ملّاؤں میں

آ کے بیٹھے بھی نہ تھے وہ کہ نکالے بھی گئے
جیب کتری گئی اُن کی یہ صلے بھی گئے

عطر میں ریشمی رومال بسایا ہم نے ❊ ساتھ لائے تھے مصلّٰی وہ بچھایا ہم نے
دُور سے چہرہ وزیروں کو دکھایا ہم نے ❊ ہر بڑے شخص کو سینے سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گِلا ہے کہ وفادار نہیں
کون کہتا ہے کہ ہم لائقِ دربار نہیں

ذکر خطبے میں وزیروں کا جو پایا ہم نے ❊ آسمانوں کو زمینوں سے ملایا ہم نے
کعبۂ دل کو صنم خانہ بنایا ہم نے ❊ نقشِ توحید جبینوں سے مٹایا ہم نے

خوگرِ پیکرِ محسوس ہے انساں کی نظر
مان لیتا کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر

لوگ مصروف تھے باتوں میں تو خطبے میں امام ❊ اور مشکل تھا وزیروں پہ قیام اور خرام
توڑ کر اپنی صفوں اور قطاروں کا نظام ❊ مضطرب ہاتھ ملانے کیلئے تھے جو عوام

ساز خاموش تھے فریاد سے معمور وزیر
قصۂ درد سنانے سے تھے مجبور وزیر

مولوی لوگ تھے ان میں گنہگار بھی تھے ❊ عجز والے بھی تھے مست مئے پندار بھی تھے
افسر آئے تھے کلرک آئے تھے تجّار بھی تھے ❊ سینکڑوں تھے کہ وزیر اُن کے نمک خوار بھی تھے

پھر بھی جُوتی نہ چُرائی کسی دل والے نے
صرف اک جیب اڑائی کسی دل والے نے

ذکر مُلّا نے کیا رُوح کی بیماری کا ؛ دخل تھا اس میں بھی دنبوں کی خریداری کا
امتحاں تھا مرے ایثار کا خودداری کا ؛ لب پہ شکوہ تھا مرے قوم کی بیداری کا
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھ کو قربانی کے دُنبوں کا غزل خواں سمجھا

———— ※ ————

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

(اقبال کی نظم "لا اِلٰہ الاّ اللہ" کی پیروڈی)

زباں سے کہتا ہوں ہاں لا الٰہ الا اللہ
نہیں عمل سے عیاں لا الٰہ الاّ اللہ

الاٹمنٹ ہیں یاروں کی آستینوں میں
"نہ ہے زمیں نہ مکاں لا الٰہ الاّ اللہ"

خودی کو پال کے دُنبہ بنا دیا آخر
چھری ہو اس پہ رواں لا الٰہ الاّ اللہ

میں تجھ کو کہتا ہوں حاجی تو مجھ کو حاجی کہہ
فریبِ سُود و زیاں لا الٰہ الاّ اللہ

مدیر و پیر و وزیر و سفیر و شیخِ کبیر
بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الاّ اللہ

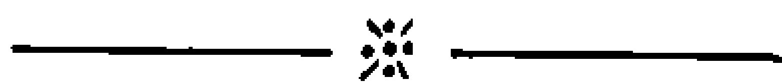
نمازی آئیں نہ آئیں اذان تو دے دوں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الاّ اللہ

خودی جو خود کا مؤنث ہے گھر میں رہتی ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

جو مولوی ہیں وہ کھاتے ہیں رات دن حلوے
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الّا اللہ

وہ لیڈری جو اُجڑ جائے چند لفظوں میں
دوکانِ شیشہ گراں لا الٰہ الّا اللہ

عجیب نصف غزل جعفری نے لکھی ہے
کہاں سے پہنچا کہاں لا الٰہ الّا اللہ



راجہ مہدی علی خاں

غالبؔ ایک ریسٹوران میں
ایک اینگلو انڈین حسینہ کے ساتھ
(مرزا غالبؔ کی غزل کی پیروڈی)

(۱)

ہے گال پہ اس تِل کے سوا ایک نشاں ور ❖ تم کچھ بھی کہو ہم کو گزرتا ہے گماں اور
تم کہتی ہو "انگلش میں محبّت کا کرو بات" ❖ آتی نہیں اردو کے سوا مجھ کو زباں اور
سعدی کی زباں ہی میں کچھ ارشاد کروں میں یا ❖ ڈر ہے کہ یہ گذرے نہ کہیں تجھ کو گراں اور
یارب یہ نہ سمجھی ہے نہ سمجھے گی مری بات ❖ ملک اور دے اس کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

(۲)

کب سے ہم اِدھر بیٹھا ہے لے بوائے اِدھر آؤ ❖ لیمن کے سوا بھی ہے کوئی چیز یہاں اور
لے آؤ "وہ شے" جلدی سے اب ورنہ یہ سُن لو ❖ کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور
گر حکم ہو میڈم تو میں منگواؤں مٹن چاپ ❖ کہہ دینا اگر چاہیئے "دل" اور "زباں" اور
"دل" اور "زباں" کر لا فرائی ارے بیرا ❖ "دل" اور دے اسکو جو نہ دے مجھ کو "زباں" اور
مرتا ہوں اس آواز پہ بِل کتنا ہی بڑھ جائے ❖ تو بوائے سے لیکن یہ کہے جائے کہ ہاں اور

(۳)

ٹانگہ بھی مرے پاس ہے ٹم ٹم بھی مرے پاس ✤ ہوٹل کے علاوہ تجھے لے جاؤں کہاں اور

(۴)

پاتے نہیں جب راہ تو رک جاتے ہیں تانگے ✤ اُف دیکھ کے پبلک تجھے ہوتی ہے "رواں" اور
کالوں کو بھگاتا ہوں تو آ جاتے ہیں گورے ✤ تم ہو تو ابھی راہ میں ہیں سنگِ گراں اور

(۵)

ٹانگوں پہ ہیں کوڑوں کے نشاں پیٹھ پہ ہیں نیل ✤ ہر روز دکھاتی ہے تو اک داغِ نہاں اور
تو بھاگ گئی سیج سے گر ہاتھ چھڑا کر ✤ لے آئیں گے بازار سے اک حُورِ جناں اور
اے جانِ تمنّا تجھے اک دوں گا میں گھونسہ ✤ ہنگامِ شبِ وصل جو کی آہ و فغاں اور

———— — ※ ————

غالب باٹا شو کمپنی میں سیلزمین

(مرزا غالب کی غزل کی پیروڈی)

کبھی تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں ٭ کبھی تیری چپّل کو ہم دیکھتے ہیں

ترے سروِ قامت سے چھ فٹ کم از کم ٭ قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

بھلا کیسے لیں گے وہ چپّل کی قیمت ٭ جو تیری طرف دم بدم دیکھتے ہیں

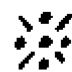
ہمیں پیٹ دے تُو اگر ہم بتا دیں ٭ تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

جنھوں نے نہ سجدہ کیا تھا خدا کو ٭ تجھے ہو کے وہ "سر بہ خم" دیکھتے ہیں

یہ مہندی رچا پاؤں چپّل میں رکھ دے ٭ ذرا آج اِسے چھو کے ہم دیکھتے ہیں

بنا کر "چماروں" کا ہم بھیس غالب

"تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں"



غالبؔ کے گھر کے سامنے رشتے کی بات چیت

(مرزا غالبؔ کی غــزل کی پیروڈی)

حشمت آرا سے کہیں میرا کمال اچھا ہے ❖ مت کہو مجھ سے کہ خورشید جمال اچھا ہے

رشتہ کرتی نہیں اور پیسہ پہ ہی ہر لحظہ نگاہ ❖ جی میں کہتی ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

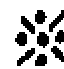
دیکھ مر جائیں گے ہم اتنا چڑھاوا مت مانگ ❖ وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

جیب کترا بہت اچھا ہے ہمارا لڑکا ❖ جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے ❖ میرے گھر میں تری لڑکی کا مآل اچھا ہے

رشتہ کرنے میں نہ اب دیر لگا اے ظالم ❖ اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن ❖ دل کے خوش رکھنے کو اچھا یہ خیال اچھا ہے



غلام احمد فرقت کاکوروی

مظلومی[1]

(میرا جی کی نظم "محرومی" کی پیروڈی)

میں کہتا ہوں تم سے، اگر صبح کو بھول کر بھی، کبھی سائیکل کی دوکان کی طرف سے نکلنا،
تو پنچر کو جُڑوا ہی لینا، اگر ہو گیا ہو تو اس پر تعجب نہیں ہے، نہ ہوگا)
ہمیشہ اسی رنگ میں چل رہی ہے، مقابل میں سب کی جواں سائیکلوں کے)
اُترتے ہوئے اور چڑھتے ہوئے۔ مچلتے ہوئے اور لچکتے ہوئے، پُھدکتا چلا جا رہا ہوں)
اِدھر آؤ یہ تیلیاں، تم نے دیکھی نہیں ہیں کہ جو رنگ سارے بدن پر لگائے ہوئے ہیں)
جہاں سیٹ تھی اب وہاں اک خلا ہے، مگر اس میں اب لا کے چمڑا بھرا ہے، کہ جس کو
نہیں اب کوئی دیکھ سکتا)
ٹٹولو نہ اس کو —— جہاں پر لگی تھی کبھی ایک گھنٹی، ہر آواز جس کی چھپائے
ہوئے تھی غضب ناک طوفان:
اسی کھڑ کھڑاہٹ کے پیچھے سے، آہستہ بیٹھا ہوا، اور ڈرتا ہوا، چور سا میں
چلا جا رہا تھا)

---

[1] اس نظم میں جہاں بریکٹ ختم ہو، اس کو ایک مصرعہ سمجھا جائے۔

بڑے زور سے کہہ رہا تھا ـــــ " ہم آئے ـــــ ہم آئے ")
مگر آنکھ جھپکی تو دیکھا یہ میں نے، کہ میں لڑ گیا ہوں کسی سائیکل سے)
ہجوم اک قرینے سے گھیرے کھڑا تھا)
میں کہتا تھا دل میں ـــــ چلو بھاگ نکلیں سپاہی مگر ہاتھ پکڑے ہوئے تھا)
پسینے پسینے ہوا جا رہا تھا)
پسینہ کو آخر ترس آ گیا، میرے گھر پر گیا اور وہاں جا کے بھائی کو لایا۔ جہاں میں کھڑا کب رہا تھا)
تمہیں اس کا احساس کا ہے کو ہوگا، یہ ذمّہ ہے میرا)
شروع سے سلوک ایسا ان سائیکلوں سے، رہا ہے پولیس کا، کہ جس میں بریک ہوں نہ ہو کوئی گھنٹی، جو لڑ جائے جھونکے سے، ٹکرا کے کوئی، تو اس کو پتہ بھی نہ ہوگا)
میں کہتا ہوں تم سے، اگر صبح کو بھول کر بھی کبھی سائیکل کی دوکان کی طرف سے نکلنا، تو پنچر کو جُڑوا ہی لینا، اگر ہو گیا ہو تو اس پر تعجب نہیں ہے، نہ ہوگا)
ہمیشہ اسی رنگ میں چل رہی ہے۔ مقابل میں سب کی جواں سائیکلوں کے)
یہ چالان کرواتی رہتی ہے میرا اور کہتی ہے مجھ سے ـــــ کہ جاؤ اگر تم اسی طرح رکھو گے مجھ کو، تو ہر لمحہ چالان ہوگا تمہارا، جو گذرو گے تم دوش پر بیٹھ کر، تو پاؤ گے اپنے کو اُس دم اکیلا)

بلا لیمپ کے دائیں بائیں، تمہیں کچھ دکھائی نہ دے گا، سڑک کی سیاہی، تمہاری حماقت
پہ ہنستی رہے گی۔)
مگر ڈھال پر رفتہ رفتہ، میرے دونوں پہیوں کی گردش کے مانند، تمہیں دُور کی
بات معلوم ہونے لگے گی۔)
دھند لکے میں میرے فری وہیل کے ـــــ آنکھ کھل جائے گی۔
ایک تانگا چلا جا رہا تھا)
مگر اس سڑک کی سطح پر، کوئی بھولا بھٹکا بھی تانگا نہ ہوگا)
اور اک دم شکستہ، فتادہ، میرا ہینڈل ٹوٹ کر، تم کو فرشِ حزیں پر، لڑھکتا ہوا
بھاگ جائے گا پہیہ، کہو یہ تمنا تو میری نہیں ہے)
بس اب اپنی غمناک ٹانگوں سے، پیڈل پہ مت زور دینا)
میں اب جانتی ہوں کہ میری وجہ سے، تمہارے ہوئے ہیں اُجالے اندھیرے میں چالان)
میں اب مانتا ہوں کہ جسمِ حزیں پر، ہزاروں ہیں گرنے کی چوٹیں، کہ جس کی اذیّت سے
اکثر میں رو رو دیا ہوں)
بلا لیمپ کے دائیں بائیں، تمھیں کچھ دکھائی نہ دے گا سڑک پر، سیاہی تمھاری
حماقت پہ ہنستی رہے گی)
ـــــ میں اب جانتا ہوں کہ میں نے پولیس چوکیوں میں، سویرے سے تا شام،
معصوم حالت میں دیکھا ہے اپنے کو لیکن۔ وہاں کا مزا ایسا منہ کو لگا تھا کہ ہر بار

ہمراہ تیرے گیا ہوں)

وہاں جھڑکیوں، گھُڑکیوں کے علاوہ، بہت کچھ مجھے گھر سے دینا پڑا ہے

جیسے سوچ کر اب، مسہری کے معصوم باندھوں کے اُوپر، مجھے خواب آتا نہیں ہے)

——— میں کانوں سے بیداریوں میں ابھی تک سُنا کرتا ہوں گونج ان جھڑکیوں کی

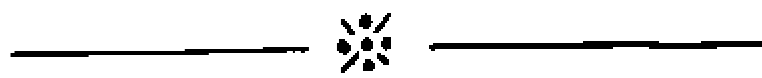
——— سفید اور دھانی، گلابی وہ ڈانٹیں۔ جسے سُن کے کہتا ہوا اب تلک

بھاگتا ہوں کہ آہٹ سیاہی کی یہ تو نہیں ہے۔

مجھے گوشہ گوشہ سے گھر کے پولیس کی، انہی جھڑکیوں کی صدا آرہی ہے)

میں کہتا ہوں تم سے اگر صبح کو بھول کر بھی، کبھی سائیکل کی دکان کی طرف سے

نکلنا، تو پنچر کو جڑوا ہی لینا، اگر ہو گیا ہو تو اس پر تعجب نہیں ہے، نہ ہوگا۔)



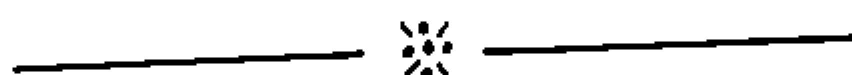
ناتمام

(ن۔م راشد کی نظم "انتقام" کی پیروڈی)

اس کا گھر اور اس کی رہ گذر یاد آتے ہیں۔
اک زنانہ جسم اب تک یاد ہے
اور پیٹی کوٹ میں لپٹا بدن

لان پر سبزہ تھا اور سبزے پہ لان
تھی یہی جاڑوں کی رُت
دیدۂ شلوار پر ہنستے ہوئے!
اصطبل میں دل کے ارمانوں کا شور
اور کنواری لڑکیوں کی بے حسی پر خشمگیں
جسم کے پوشیدہ گلیاروں میں گُم
اک پُرانی عاشقی کی یادگار
تالیوں کے ٹھوکنے پر جن کے ہنستا ہے جہاں
جنس میں مَردوں کے ننگ
اس کا گھر اور اس کی رہ گذر یاد آتے ہیں
ایک پیٹی کوٹ میں لپٹا بدن

اک زنانے کا بدن
جس کو میں سمجھا تھا کچھ، نکلا وہ کچھ
میرے ہونٹوں نے لیا تب رات بھر
جس سے اپنی تشنگی کی بے بسی کا انتقام
وہ زنانہ جسم اب تک یاد ہے



کبابی

(ن ۔ م ۔ راشد کی نظم "شرابی" کی پیروڈی)

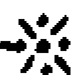
آج میں پتّوں کو چاٹ آیا ہوں
دیکھ کر سیخیں مجھے شعلہ بداماں ہوگئیں
چاٹ کر دوکان کے پتّے تمام
شکر کر اے خاکروب
اس حماقت پر کوئی نادم ہو، میں نادم نہیں
ورنہ اک سیخِ کبابِ ناتواں
کیا بجھا سکتی تھی میرے پیٹ کی دوزخ کی آگ
صبح سڑ جاتی نہ وہ
رات کھا جاتا جو میں
سیخ رنگیں کے بجائے
ایک موٹی مچھلی والوں کی رہو ؟
شکر کر اے خاکروب
چاٹ کر دوکان کے پتّے تمام
ایک لقمہ بھی ہضم کرنے کے میں قابل نہیں

رُخسار

(ڈاکٹر تاثیر کی نظم "رس بھرے ہونٹ" سے متاثر ہو کر)

تیرے غازہ مَلے ہوئے رُخسار
گر گرٹیا کے پر سے بھی ہلکے
جیسے تسلے میں تامچینی کے
خونِ ناحق نفیس سا چھلکے
جیسے گرگٹ کی گول آنکھوں میں
خاک کا ایک نوجواں ذرّہ
شفقِ صبح وہ "ٹماٹر ناک"
جیسے پتلے پیاز کے چھلکے
تیرے رُخسار یوں پھُدکتے ہیں
یوں پھُدکتے ہیں، یوں اُچکتے ہیں
بند تھیلے میں جیسے ایک بٹیر
کھال میں جھُرّیاں نگاہ پہ بَل
ایک پتلا سا بیکراں نالہ
گندگی کا نہ جس کی کوئی بدل

یک بیک پاس، پاس، آنکھ کے پاس
صبحِ صادق کی کچھ سیاہی میں
ایک سونی گلی کے نکّڑ پر
ان نگاہوں سے ہوگئی مڈبھیڑ
رات بھر ہم لحاف کے اندر
یوں پھُدکتے ہیں، یوں اُچکتے ہیں
بند تھیلے میں جیسے ایک بٹیر



مجیدؔ لاہوری

ماڈرن آدمی نامہ

(نظیر اکبر آبادی کی نظم "آدمی نامہ" کی پیروڈی)

مونچھیں بڑھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی ⁘ داڑھی منڈا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
مرغے جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی ⁘ دلیا پکا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور "پنچ" اڑا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

وہ بھی ہے آدمی جسے کوٹھی ہوئی الاٹ ⁘ وہ بھی ہے آدمی ملا جس کو گھر نہ گھاٹ
وہ بھی ہے آدمی کہ جو بیٹھا ہے بن کے لاٹ ⁘ وہ بھی ہے آدمی جو اٹھائے ہے سر پہ کھاٹ
موٹریں چلا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
رکشا چلا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

رشوت کے نوٹ جس نے لئے وہ بھی آدمی ⁘ دو روز جس نے فاقے کئے وہ بھی آدمی
جو آدمی کا خون پیے وہ بھی آدمی ⁘ جو پی کے غم کا زہر جیئے وہ بھی آدمی
آنسو بہا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور مسکرا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

وہ "لالوکھیتوی" ہوکہ ہو" گولی ماروی" ⁂ دفتر کا ہو کلرک کہ مسجد کا مولوی
وہ ہو "فقیر خان" "کہ ہو سیٹھ ٹیوب جی" ⁂ وہ بھی ہے آدمی کہ جو کرتا ہے لیڈری

جو بس میں جا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور بس چلا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یہ جھونپڑے میں قید، وہ بنگلے میں شاد ہے ⁂ یہ نامرادِ زیست، وہ با مُراد ہے
ہر "کالا چور" قابلِ صد اعتماد ہے ⁂ یہ "زندہ باد" اِدھر وہ اُدھر "مردہ باد" ہے

نعرے لگا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
چندہ جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

لٹھے کے تھان جس نے چھپائے سو آدمی ⁂ پھرتا ہے چیتھڑے سے لگائے سو آدمی
بیٹھا ہوا ہے غلّہ دبائے سو آدمی ⁂ راشن نہ کارڈ پر بھی جو پائے سو آدمی

صدمے اٹھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
دھومیں مچا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

——— ⁂ ———

"لیڈری"

(نظیر اکبرآبادی کی نظم "مفلسی" کی پیروڈی)

"مل" اور زمین الاٹ کراتی ہے لیڈری ٭ اور کوٹھیوں پہ قبضہ جماتی ہے لیڈری
"لنچ" اور "ڈنر" مزے سے اُڑاتی ہے لیڈری ٭ غم ساتھ ساتھ قوم کا کھاتی ہے لیڈری
فرصت ملے تو "ٹور" پہ جاتی ہے لیڈری

ہم لوگ "زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہیں ٭ ووٹوں کی بھیک لینے جب وہ چل کے آتے ہیں
دے دے کے ووٹ ہم انھیں ممبر بناتے ہیں ٭ کرسی پہ بیٹھ کر وہ ہمیں بھول جاتے ہیں
پھر دُور ہی سے جلوہ دکھاتی ہے لیڈری

اپنا "جتھا" بنا کے وزارت بناتی ہے ٭ جو کچھ بھی اس کو ملتا ہے وہ بانٹ کھاتی ہے
محروم جب رہے "اپوزیشن" میں آتی ہے ٭ ترکش میں جتنے تیر ہیں سب آزماتی ہے
ناکام ہو کے شور مچاتی ہے لیڈری

دنیا میں لے کے سیٹھ سے اے یار تا فقیر ٭ ہے لیڈری کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر
اک آن میں بنائے "مڈل فیل" کو وزیر ٭ کیا کیا میں اور خوبیاں اس کی کہوں "نظیر"
ذروں کو آفتاب بناتی ہے لیڈری

———— ٭ ————

فرمانِ ابلیس

(اقبال کی نظم "فرمانِ خدا" کی پیروڈی)

اُٹھو مری دنیا کے غریبوں کو مٹادو
کاخِ اُمرار کے در و دیوار سجادو
گرماؤ امیروں کا لہو "وہسکی" و "رم" سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑادو
جس کھیت سے دہقاں کو میسّر ہوئی روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو
سلطانیٔ فغفور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش نیا تم کو نظر آئے مٹادو
پھر خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا میں بٹھادو
میں ناخوش و بیزار ہوں مٹی کے حرم سے
میرے لئے مَرمَر کا محل اور بنادو

※

متفرق اشعار

(اساتذہ کے اشعار کی پیروڈیاں)

ع نوٹ ہاتھوں میں وہ رشوت کے لئے پھرتے ہیں
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

※

معرکہ "چالو" ہے ووٹوں کی طلب گاری کا
امتحاں ہے تیرے ایثار کا ' خودداری کا

※

پشتہا پشت سے ہے پیشۂ آبا "گداگری"
کچھ "لیڈری" ذریعۂ عزت نہیں مجھے

※

پہلے دل میں درد تھا اب "چاولوں کی مل" میں ہے
المدد "کسٹوڈین" لیڈر بڑی مشکل میں ہے

※

خدا کے واسطے مجھ کو منسٹری دے دو
مرا مزاج لڑکپن سے "لیڈرانہ" ہے

※

سیاست بے ضیافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
ڈنر چالو رہیں جس میں سیاست اس کو کہتے ہیں

※

زاہد کو سکھا دیجئے آداب یہ مجلس کے
پیتے ہیں شراب اوّل کھاتے ہیں کباب آخر

※

ان کے وعدے اُف توبہ!
"یو این او" کی باتیں ہیں!

※

اس کو بزنس کی ضرورت، نہ کسی سروس کی
جس کی قسمت میں ہو، قوم کا لیڈر رہونا

—— ※ ——

صادق مولیٰ

کیا یہ سب سچّی باتیں ہیں ۔؟

(ابن انشار کی نظم "کیا یہ سب سچّی باتیں ہیں"؟ کی پیروڈی)

کیا یہ سب سچّی باتیں ہیں، جو لوگوں نے پھیلائی ہیں
صادق مولیٰ دیوانے ہیں، صادق مولیٰ سودائی ہیں

ہیں لاکھوں روگ زمانے ہیں، کیوں عشق ہے رسوا بیچارا
اس روگ کا روگی پھرتا ہے گلیوں گلیوں، مارا مارا
لوگوں سے پوچھتا پھرتا ہے، وہ درد کا مارا دکھیارا
کب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا؟ کب لاد چلے گا بنجارا

کیا یہ سب سچّی باتیں ہیں، جو لوگوں نے پھیلائی ہیں
صادق مولیٰ دیوانے ہیں، صادق مولیٰ سودائی ہیں

یہ بات عجیب سُناتے ہو کہ آس سے وہ بے آس ہوئے
سگریٹ کے دو اک کش لیکر کچھ سوچ کے آپ اُداس ہوئے
کچھ عریاں نظمیں بھی لکھیں، میراجی، کالی داس ہوئے
بی۔اے میں نقل بھی کی لیکن دو چار برس نہ پاس ہوئے

کیا یہ سب سچّی باتیں ہیں، جو لوگوں نے پھیلائی ہیں
صادق مولیٰ دیوانے ہیں، صادق مولیٰ سودائی ہیں

جاسوسی ناول پڑھ پڑھ کر، وہ شاد نہیں آباد نہیں
فلمی گانے گاتے ہیں مگر، وہ قیس نہیں فرہاد نہیں
غزلیں بھی لکھتے ہیں لیکن، دو چار کے وہ اُستاد نہیں
کہتے ہیں کہ اگلا پچھلا اب اُن کو بالکل یاد نہیں

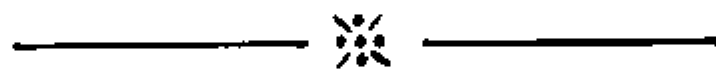
کیا یہ سب سچّی باتیں ہیں، جو لوگوں نے پھیلائی ہیں
صادق مولیٰ دیوانے ہیں، صادق مولیٰ سودائی ہیں

وہ کالج کی اک لڑکی "ہاں تم نام نہ لو ہم جان گئے
وہ اُن کے ساتھ جو پڑھتی تھی" "ہم جان گئے پہچان گئے
صادق مولیٰ اس کے دل کے بنگلے میں تھے مہمان گئے
اس "لنڈیا" نے لیکن ان کو وہ "ڈاج" دیا ہم مان گئے

کیا یہ سب سچّی باتیں ہیں، جو لوگوں نے پھیلائی ہیں
صادق مولیٰ دیوانے ہیں، صادق مولیٰ سودائی ہیں

اس عشق سے کس کو لابھ ہوا، اس عشق میں ہو ٹوٹا گھاٹا
سنتے ہیں صادق مولیٰ کو پاگل کتّے نے ہے کاٹا
کچھ نے ان کو سمجھایا بھی کچھ نے ان کا بھیجا چاٹا

لیکن وہ گھر سے رات گئے جاتے ہیں بندھوا کر ڈھاٹا
کیا یہ سب سچی باتیں ہیں، جو لوگوں نے پھیلائی ہیں
صادق مولیٰ دیوانے ہیں، صادق مولیٰ سودائی ہیں



کالج کی اِک لڑکی

(قتیل شفائی کی نظم "سانولی سی اک عورت" کی پیروڈی)

ٹھکرا دیتی ہے مجھ سے شادی کا ہر پیغام
کالج کی اک چنچل لڑکی "مس کڑوی بادام"

وہ لڑکی جس کے ہونٹوں پر ناچیں فلمی گیت ؛ اپنی بڑھتی بدنامی کو جو سمجھے ہے جیت
لیکن پھر بھی میں نے جس کو اپنا بنایا میت ؛ جس کے فلمی گیت پہ میں دینا چاہوں سنگیت

چھائے میرے ذہن پہ اکثر بن کر "کھٹا آم"
کالج کی اک چنچل لڑکی "مس کڑوی بادام"

لپ اسٹک سے ہونٹ بنائے جیسے سُرخ گلاب ؛ ان کی رنگت کیا بتلاؤں جیسے کہ عناب
کالج کے سب لڑکے جس کی اُلفت میں بیتاب ؛ اس کی چال ہے سارس جیسی اس کا بدن کمخواب

جہاں بھی ملتی ہے میں اس کو کرتا ہوں پرنام
کالج کی اک چنچل لڑکی "مس کڑوی بادام"

جب میں اس کا ذکر کردوں تو چونک پڑیں سب لوگ ⁂ کچھ کہتے ہیں اس لڑکے کو لگا ہے "مجنوں روگ"
یار لوگ کہتے ہیں صادق موئی بے لوجوگ ⁂ بڈھے ٹھڈے بولیں "بیٹا کرنی کا پھل بھوگ"

جس کی خاطر میں سہتا ہوں دنیا کے دشنام
کالج کی اک چنچل لڑکی "مس کڑوی بادام"

میں یاروں میں کہتا ہوں کہ چھوڑو پچھلی بات ⁂ اب کی بار تو وہ منظور کرے گی میرا ساتھ
یار لوگ ہنس کر کہتے ہیں پھر کھاؤ گے مات ⁂ میں کہتا ہوں اس گھر ہی لے جاؤں گا بارات

میری ان باتوں سے بھی ہے وہ کافی بدنام
کالج کی اک چنچل لڑکی "مس کڑوی بادام"

یوں تو سارا کالج ہی ہے اس کا دعویدار ⁂ لیکن سچ پوچھو تو میں ہی ہوں اس کا سچا حقدار
بیاہ رچالے گی اک دن جب مجھ سے وہ خوددار ⁂ اس کے نام کو رو دیں گے کالج کے در و دیوار

چھوڑ ہی دے گی کالج شاید وہ کر کے "بی کام"
کالج کی اک چنچل لڑکی "مس کڑوی بادام"

سوچ لیا ہے میں نے بھی وہ لڑکی میری میت ⁂ جس کے ہونٹوں پر ناچیں ہیں ہر دم فلمی گیت
مان لیا یہ بھی کہ ہے کچھ اور ہی اس کی ریت ⁂ لیکن میں ہونے دوں گا اور کسی کی جیت

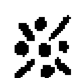
چاہے میرے سر آ جائے اغوا کا الزام
کالج کی اک چنچل لڑکی "مس کڑوی بادام"

——— ⁂ ———

کلرک کے نام

(اقبال کی نظم "جاوید کے نام" کی پیروڈی)

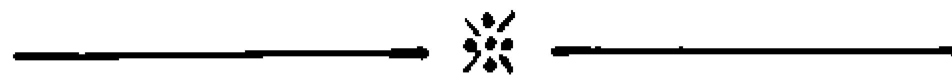
تواک کلرک ہے اپنا مقام پیدا کر
کمائی اوپری کچھ صبح و شام پیدا کر
خدا عطا کرے تجھ کو خوشامدی لہجہ
تو افسران سے اپنے کلام پیدا کر
اور افسران سے پیدا کلام کرلے اگر
تو اس ذریعے سے بے دام دام پیدا کر
کہ لوگ خود ہی تجھے آکے رشوتیں دے جائیں
کچھ ایسی بات مرے نیک نام پیدا کر
ترا طریق غریبی نہیں امیری ہو
خودی کو چھوڑ، کلرکی میں نام پیدا کر



فرمانِ خُدا

(اقبال کی نظم "فرمانِ خدا" کی پیروڈی)

اُٹھو مری دُنیا کے ادیبوں کو جگادو
اب پبلی شروں کے دَر و دیوار ہلادو
گرماؤ ادیبوں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑادو
اے شاعرو! جمہور کا آیا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے گرادو
جس پرچے میں شائع نہ ہو تخلیق تمہاری
اس پرچے کے ہر صفحۂ رنگیں کو جَلادو



سید ضمیر جعفری

رلیواز[1] کی تصویر

(حفیظ جالندھری کی 'تصویرِ کشمیر' کی پیروڈی)

معرکہ درپیش ہے رلیواز کی تفسیر کا ٭ طالبانِ علم وفن کی بزمِ خوش تقدیر کا
کھینچ کر نقشہ دکھانا ہے پلاؤ کھیر کا ٭ کھیر کا کھانا مگر لانا ہے جوئے شیر کا
شاعری میں باندھنا ہے دیگچے کفگیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے رلیواز کی تصویر کا

بلّیاں یہ "زردہ پرورده" ہماری بلّیاں ٭ یہ پلاؤ خور، فیرنی کی ماری بلّیاں
موٹی موٹی، پتلی پتلی، بھاری بھاری بلّیاں ٭ کاروباری بلّیاں، بے اعتباری بلّیاں
غل ہے جن کے نغمۂ بیتاب و لقمہ گیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے رلیواز کی تصویر کا

"فسٹ ایر" والوں کی گھبرائی ہوئی سی ٹولیاں ٭ "کمسن" ہم جھولوں کی شرماتی ہوئی ہمجولیاں
میٹھے میٹھے قہقہے، یہ پیاری پیاری بولیاں ٭ ان سے کھیلی جا رہی ہیں شوربے کی ہولیاں
ان کے کپڑوں پر گماں گلمرگ کشمیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے رلیواز کی تصویر کا

---

[1] اسلامیہ کالج لاہور کا "رلیواز ہوسٹل"

پاس کی گلیوں میں بچوں کو سلاتی لوریاں ❖ "کارکن لوٹوں" کا اغوا۔ صابنوں کی چوریاں
چوریاں اور خوبرو چوروں کی سینہ زوریاں ❖ صبحوں کی خاموشیاں۔ راتوں کی شوراشوریاں

چہچہے بے فکریوں کے، شور دار و گیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے ریواز کی تصویر کا

روز فیشؔ[۱] "مطبخوں کا" آب و دانہ دیکھئے ❖ جھومنا، گانا، بپھرنا، جگمگانا دیکھئے
دانہ دانہ چُن کے بُن کے دُھن کے کھانا دیکھئے ❖ چل رہا ہے زندگی کا کارخانہ دیکھئے

سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے ریواز کی تصویر کا

خوبصورت اچکنیں، زرکار جوتوں کی بہار ❖ ہر طرف پنجاب کے طُرّے قطار اندر قطار
رات کی جاگی ہوئی آنکھوں میں خوابیدہ خمار ❖ پالتو مونچھیں گھنیری، لہلہاتی، سایہ دار

ہے گماں اک ایک نوکِ مو پہ نوکِ تیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے ریواز کی تصویر کا

کچھ "پڑھاکو" کورسوں کو بھی غذا سمجھے ہوئے ❖ زندگی کو اک مشقت کی سزا سمجھے ہوئے
پاس ہونے کے لئے مرنا روا سمجھے ہوئے ❖ دِل محمدؔ[۲] کے خلاصوں کو خدا سمجھے ہوئے

"نقش فریادی ہے" جن کی شوخیٔ تحریر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے ریواز کی تصویر کا

---

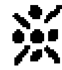
[۱] خاص پکوان کا دن [۲] ریاضی کے اُستاد۔

بہمہ وخناب کے "خاصانِ طُرّہ باز" دیکھ ✤ اس کی زلفِ سنبلیں، اس کی نگاہِ ناز دیکھ
ان کے حجروں میں کتابوں سے زیادہ ساز دیکھ ✤ گت پہ طبلے کی ریاضِ علم کے انداز دیکھ

ہر کوئی "رانجھا" کسی اپنی خیالی "ہیر" کا
ایک پہلو یہ بھی ہے ریواز کی تصویر کا

فیل ہو ہو کر جو بن جاتے ہیں "البطالِ عظیم" ✤ جو ہیں مدت سے ان محبوب حجروں میں مقیم
اپنے استادوں کے بھائی بند، یارانِ قدیم ✤ کتنی ہڑتالوں کے بانی، کتنے جلسوں کے زعیم

جذبہ ناپیدا مگر غُل نعرۂ تکبیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے ریواز کی تصویر کا



دلاور فگار

ٹیچرس کا شکوہ

(اقبال کی نظم "شکوہ" کی پیروڈی)

کیوں غلط کار بنوں، فرض فراموش رہوں ؛ طعنے بیگم کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
کیوں نہ تنخواہ طلب کر کے سبکدوش رہوں ؛ ہم نوا میں کوئی بدھو ہوں کہ خاموش رہوں
جرأت آموز میری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ تنخواہ کا خاکم بدہن ہے مجھ کو

ہے بجا جذبۂ ایثار میں مشہور ہیں ہم ؛ حقِ محنت نہ ملے جس کو وہ مزدور ہیں ہم
ہوگئے پانچ مہینے کہ بدستور ہیں ہم ؛ فقر و فاقہ کی قسم سرمد و منصور ہیں ہم
حالما! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ مدح سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

یوں تو مدت سے ہے کالج میں تری ذاتِ قدیم ؛ شرط انصاف ہے اے والدِ اولادِ یتیم
ہم نے بویا ہے ترے کھیت میں تخمِ تعلیم ؛ ہم نے ہر دور میں پیدا کیے بقراط و حکیم
ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ کھانے کی تو مسجد میں بھی آسانی تھی

ہم سے پہلے تھا عجب درس گہوں کا منظر ٭ کوئی ایم۔ اے تھا نہ بی اے تھا نہ کوئی انٹر
مکتبی علم سے محدود تھی لڑکوں کی نظر ٭ سیکھتا پھر کوئی سائنس و ادب کو کیونکر

طالبِ علم کو ہم نے دیا پیغام ترا
قوّتِ بازوئے احقر نے کیا کام ترا

ہم تو جیتے ہیں فقط علم کی خدمت کیلئے ٭ اور مرتے ہیں تو تعلیم کی عظمت کے لئے
ٹیوشنیں کرتے ہیں کچھ وہ بھی ضرورت کیلئے ٭ ورنہ کیا اور ذرائع نہ تھے دولت کیلئے

قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
تیری "سروس" کے عوض پیری مُریدی کرتی

ٹل نہیں سکتے اگر درجے میں اَڑ جاتے ہیں ٭ پاؤں لڑکوں کے بھی درجوں سے اُکھڑ جاتے ہیں
غیر حاضر ہوا کوئی تو بگڑ جاتے ہیں ٭ دوست کیا چیز ہیں شاگردوں سے لڑ جاتے ہیں

نقش تعلیم کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
بوڑھے طوطوں کو سبق یاد کرایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ کیا پوسٹ رجسٹر کس نے؟ ٭ معرکہ اِنو جیلیشن کا کیا سَر کس نے؟
امتحانوں میں بنا کر دیئے پیپر کس نے؟ ٭ دیئے شاگردوں کو انصاف سے نمبر کس نے؟

کس کے ڈر سے طلبا سہمے ہوئے رہتے ہیں؟
درجے میں آتے ہی "مے آئی کم اِن" کہتے ہیں

آگیا عین پڑھائی میں جو قرضے کا خیال ٭ ماسٹر بھول گیا ماضی و مستقبل و حال
آگیا یاد کہ بھوکے ہیں مرے اہل و عیال ٭ کیسے ٹیگور و اسد، کیسے کبیر و اقبال

کیٹس و شیلی و خیام و ولی ایک ہوئے
ذہنِ افلاس پہ پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

مختلف درجوں میں ٹیچر سحر و شام پھرے ٭ مئے تعلیم کو لے کر صفتِ جام پھرے
سکستھ سیونتھ میں لیکر ترا پیغام پھرے ٭ پہنچے جس درجہ میں اس درجے سے ناکام پھرے

رُوم تو رُوم ہیں میداں بھی نہ چھوڑے ہم نے
فیلڈ میں چھوڑ دیئے علم کے گھوڑے ہم نے

نفسِ امّارہ کو ہر طرح سے مارا ہم نے ٭ خواب میں بھی نہ کیا پے کا نظارہ ہم نے
کر لیا دودھ، شکر، گھی سے کنارا ہم نے ٭ کھا کے گڑ اور چنے وقت گذارا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار تو ہیں مرنے کو تیار نہیں

محکمے اور کئی بھی ہیں جو خوشحال بھی ہیں ٭ ان میں شاعر بھی ہیں زنخے بھی ہیں قوال بھی ہیں
ان میں ننگے بھی ہیں بھوکے بھی ہیں کنگال بھی ہیں ٭ آنکھ والے بھی ہیں اندھے بھی ہیں دجال بھی ہیں

رحمتیں عام ہیں ہر کہتر و مہتر کے لئے
ڈیڑھ سو دن کا مہینہ ہے تو ٹیچر کے لئے

یہ شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور ∴ نہیں تختی پہ جنھیں نام بھی لکھنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ جاہل کو ملیں حور و قصور ∴ اور ہم بی۔ ٹی و سی۔ ٹی کو فقط وعدۂ حور

اب وہ پہلی سی کوئی رسم نہیں راہ نہیں
بات کیا ہے کہ کئی ماہ سے تنخواہ نہیں

کوئی ڈی۔ اے میں مساوات کا قائل نہ رہا ∴ اِنکریمنٹ بھی تنخواہ میں شامل نہ رہا
ایریر وہ نہ رہا، پے نہ رہی، بِل نہ رہا ∴ جس میں تھے فنڈ کے کاغذ وہی فائل نہ رہا

ہم کہ میدانِ عمل کے عملی غازی ہیں
ہیں تو کالج میں ملازم مگر اعزازی ہیں

کوئی دہلی گیا کالج سے تو کوئی مدراس ∴ کوئی کہتا ہے کہ اب بندہ تو لیگا بنباس
کوئی ناٹک میں ملازم ہوا باحسرت و یاس ∴ لے اڑی سب کو غرضِ موجِ ہوائے افلاس

لوگ بیتاب ہیں کالج سے نکلنے کے لئے
اور کالج ہے کہ بیتاب ہے جلنے کے لئے

لڑکے درجوں میں یہ کہتے ہیں کہ اُستاد گئے ∴ وہ جو کہتے تھے کہ کر لینا سبق یاد، گئے
وقت ہم لوگوں کا کرتے تھے جو برباد، گئے ∴ اب نہ آئیں گے کہ سوئے عدم آباد گئے

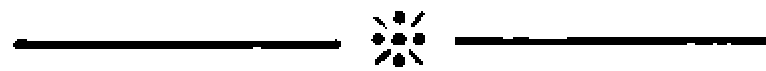
طعنہ زن لڑکے ہیں احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنے اسٹاف کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں،

یہی حالت ہے تو ہو جائے گا ویرانہ چمن ٭ بوم و کرگس نظر آئیں گے یہاں سایہ فگن
تھا جو شاہین و کبوتر کا پُرا نا مسکن ٭ گھونسلے اپنے بنائیں گے یہاں زاغ و زغن

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنّم اب تک
اس کے پوٹے میں ہے، دانے کا تلاطم ابتک

جاگ اُٹھے کاش کہ بلبل کی نوا سے کالج ٭ زندگی پائے نئی طرز و ادا سے کالج
پھر شفایاب ہو تاثیرِ دُعا سے کالج ٭ رہے محفوظ ہر اک موجِ بلا سے کالج

ہے ہنسی لب پہ تو کیا، دل تو ہے رنجیدہ ترا
لے ظریفانہ سہی، نغمہ ہے سنجیدہ ترا

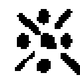


اسٹوڈنٹ کی دُعا

اقبال کی نظم "بچے کی دعا" کی پیروڈی

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری ٭ زندگی کھیل میں غارت ہو خدایا میری
فلم میں میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے ٭ متوجّہ مری جانب "مدھوبالا" ہو جائے
زندگی ہو مری نوشاد کی صورت یارب ٭ فلم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب
ہو مرا کام بزرگوں کو نصیحت کرنا ٭ سٹھ گئے ہوں جو بزرگ ان کی مرمت کرنا
میرے اللہ پڑھائی سے بچانا مجھ کو ٭ نیک جو راہ ہو اس پر نہ چلانا مجھ کو
"مغل اعظم" و "برسات" دکھانا مجھ کو ٭ "پرتھوی راج" و "دوانند" بنانا مجھ کو
عمر بھر مست رہوں کھاؤں پیوں، عیش کروں ٭ چیک تو مجھ کو دلا دے میں انھیں کیش کروں
شوق کی تشنہ لبی کچھ تو بجھا دے مالک ٭ کم سے کم جلوۂ ٹُن ٹُن ہی دکھا دے مالک
کیا کروں گا میں یہ تعلیم کی دولت پا کر ٭ میرے اللہ بنا دے مجھے جانی واکر
علم کی دولت ارزاں مرے قابل ہی نہیں ٭ جس سے تعمیر ہو "عالم" کی یہ وہ گِل ہی نہیں
مجھ سے انگلش نہیں چلتی اُسے ایزی کر دے ٭ بلکہ ممکن ہو تو اردو کو بھی ہندی کر دے
مجھ سے بالجبر کہا جاتا ہے "پڑھ الجبرا" ٭ اس پہ تاکید کہ فریاد نہ کر، مت گھبرا
کیوں سبق یاد کروں، کیوں یہ مصیبت جھیلوں ٭ کیوں نہ تفریح کروں، کیوں نہ کرکیٹ کھیلوں
اب کے نیّا کو مری پار لگا دے مولیٰ ٭ امتحاں میں پروموشن ہی دلا دے مولیٰ

کیسے آسان ہوں یہ دشوار سی مضمون بتا ٭ پاس ہو جاؤں جسے کھا کے وہ معجون بتا
کم سے کم اتنی خوشی میرے مقدر میں ہو ۔ میں جو کنجی سے رٹوں بس وہی پیپر میں ہو
پارک میں سیر کروں سوٹ کی موجوں میں رہوں ۔ اور اٹینڈنس رجسٹر میں پریزینٹ رہوں
میری بگڑی ہوئی تقدیر بنا دے مالک ۔ نقل کرنے کی تدابیر بتا دے مالک
یدِ بیضا کو کبھی میں نے پیمبر لکھا ۔ لن ترانی کو کبھی چیف منسٹر لکھا
میں زلیخا کو کبھی شاہدِ کمسن سمجھا ۔ شبِ ہجراں کو کبھی زوجۂ مومن سمجھا
نقشہ بھرنے کا نیا رنگ نکالا میں نے ۔ بھر دیا پیسفک اوشن کو ہمالہ میں نے
کیا ہوا ذہن اگر کُند و غبی رکھتا ہوں ۔ آگ "رومان" کی سینے میں بھی رکھتا ہوں
کیا ہوا لوگ اگر مجھ کو گدھا کہتے ہیں ۔ "ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں"



شہباز امروہوی

جوابِ شکوۂ تنخواہ

(اقبال کی نظم "جوابِ شکوہ" کی پیروڈی)

شورِ ٹیچر بھی قیامت کا اثر رکھتا ہے ⁂ دو تہائی جو لشکر کا ہے وہ شر رکھتا ہے
بی ٹی النسل ہے میتھڈ پہ نظر رکھتا ہے ⁂ روم سے اٹھتا ہے آفس میں گذر رکھتا ہے
اُڑ کے فریاد مری ہیڈ کے دفتر پہنچی
درِ دفتر کے بجائے درِ باب منسٹر پہنچی

گیٹ کیپر نے کہا سن کے کہیں ہے کوئی ⁂ تھا "بین" کا یہ اشارہ کہ یہیں ہے کوئی
اردلی بولا کہ مغموم و حزیں ہے کوئی ⁂ دفتری کہتا تھا مردود و لعیں ہے کوئی
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو مہتر سمجھا
مجھ کو لونڈوں کا ستایا ہوا ٹیچر سمجھا

تھی کلرکوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا ⁂ اہلِ دفتر پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا
قصر و ایواں پہ بھی ٹیچر کی تگ و تاز ہے کیا ⁂ آ گئی کرمِ کتابی کو بھی پرواز ہے کیا
غافل آداب سے ہیں اہلِ مدارس کیسے
دیدی سرکار نے ان لوگوں کو سروس کیسے

اس قدر شوخ کہ طعنہ زنِ آفیسر ہے ✧ تھا جو اُستاد ملائک یہ وہی ٹیچر ہے
سخت گستاخ ہے بے باک ہے خیرہ سر ہے ✧ کوئی فرعون ہے، چنگیز ہے، ہٹلر ہے
مفت میں شکوۂ تنخواہ سے سر کھاتا ہے
ماسٹر ہے اسے ٹرٹر میں مزا آتا ہے

آئی آواز سنی ہم نے تمہاری فریاد ✧ واقعی تم فنِ شکوہ کے ہو پکّے استاد
کہا تم نے جو ہمیں بانیٔ جور و بیداد ✧ ہم بھی کہتے ہیں بجا ہے یہ تمہارا ارشاد
ہم تو سفّاک بھی، جلّاد بھی، ظالم بھی ہیں،
کچھ عیاں تم پہ مگر اپنے مظالم بھی ہیں

دیکھو تم دیدۂ انصاف کی نظروں سے اگر ✧ صاف ہو جائے ہویدا یہ حقیقت تم پر
ہم نے ہر دَور میں سمجھا تمہیں سب سے بہتر ✧ ڈالی تم پر کرمِ خاصِ وزارت کی نظر
درس و تدریس کی مسند پہ بٹھایا تم کو
پاسباں قوم کے بچّوں کا بنایا تم کو

تم نے لیکن یہ کیا ظلم و ستم قوم کے ساتھ ✧ سر پہ بچّوں کے نہ رکھا کرم و لطف کا ہاتھ
ناک میں ان کی ڈسپلن کی نہ ڈالی کبھی ناتھ ✧ نہ دکھایا انھیں پابندی احکام کا پاتھ
اپنے شاگرد کلاسوں میں نہ گھیرے تم نے
کر دیئے فیلڈ میں آزاد بچھیرے تم نے

قوم کا ہم نے بنایا تھا جو تم کو معمار ؞ اس کی تعمیر و ترقی کا کیا تھا مختار
اس کی پاداش میں تم نے یہ کیا ہم پر وار ؞ کر دیا وحدت ملّی کی بِنا کو مسمار
ڈال دی خاک رُخِ صلح و رواداری پر
جنگ جُو بن گئے نیتاؤں کی ٹُشکاری پر

تم نے اسکولوں میں نفرت کا اٹھایا طوفان ؞ درس گاہوں کو فسادوں کا بنایا میدان
جذبۂ فرقہ پرستی کو چڑھا کر پروان ؞ کر دیا قومِ ملائک کو مجسّم شیطان
عِلم کا ہاتھ سے بچّوں کے عَلَم چھین لیا
کر کے تلوار عطا ان کو قلم چھین لیا

ہم کو تسلیم کہ تم رکھتے ہو بیسک کا گیان ؞ ڈالٹن کا تمہیں معلوم ہے ماڈرن پلان
ماؤنٹے سوری سے بھی پایا تم نے فیضان ؞ ہے پراجیکٹ کے میتھڈ کا بھی تم کو عرفان
علم رکھتے ہو مگر کوئی عمل تم میں نہیں
نخل تم سروِ سہی کا ہو کہ پھل تم میں نہیں

تم میں بی۔ ایڈ بھی، ایم۔ ایڈ بھی، بی۔ ٹی بھی ہیں ؞ ایچ۔ ٹی۔ سی بھی ہیں، جی۔ ٹی بھی ہیں، سی۔ ٹی بھی ہیں
ایل۔ ٹی، ایس۔ وی، جے۔ وی بھی ہیں، وی۔ ٹی بھی ہیں ؞ واقفِ گیمس بھی ہیں، ماہرِ پی۔ ٹی بھی ہیں
نام سب کچھ ہیں مگر کام ٹھکانے کے نہیں
دانت ہاتھی کے دکھانے کے ہیں کھانے کے نہیں

کبھی اسکول میں کرتے ہو رقم تم اشعار ❖ کبھی پڑھتے ہو رسالہ، کبھی کوئی اخبار
چھیڑ دیتے ہو کبھی کوئی سیاسی گفتار ❖ کبھی کرتے ہو معمّوں کے اشارے دو چار

وقت سارا انھیں شغلوں میں گنوا دیتے ہو
ڈائری ٹھیک مگر بھر کے دکھا دیتے ہو

وقت گپ شپ میں کیا کرتے ہو ہر روز خراب ❖ کورس پڑھتے نہیں ہرگز کبھی بالاستیعاب
ختم بچوں سے کراتے نہیں کوئی بھی کتاب ❖ چھوڑتے رہتے ہو ہر ٹرم میں وَن تھرڈ نصاب

صرف اہم جزو کتابوں کے پڑھا دیتے ہو
بلکہ طوطے کی طــرح وہ بھی رٹا دیتے ہو

گیس پیپر سے جلاتے ہو کبھی ان کا دیا ❖ حل شدہ پرچے پلاتے ہو کبھی پڑھ کے دُعا
ایسے لکھ دیتے ہو ایسا کبھی اعجاز نما ❖ درد ہر گونہ مضامین کی جو ہوتا ہے دوا

پیپر آؤٹ کبھی کر دیتے ہو سیٹر بن کر
رول رہزن کا ادا کرتے ہو رہبر بن کر

فرض کو فرض نہیں جانتے اپنے زنہار ❖ کام اسکول کا کرتے ہو سمجھ کر بیگار
تم کو بچوں کی بھلائی سے ہو کیونکر سرکار ❖ بھوت سر پر ہے جب اپنی ہی پڑھائی کا سوار

امتحان ٹھاٹ سے ہر سال دیئے جاتے ہو
مفت سرکار سے تنخواہ لئے جاتے ہو

گھر پہ بچّوں کو پڑھاتے ہو جو تم صبح و مسا ✤ کچھ خبر ہے کہ زیاں ہوتے ہیں اس سے کیا کیا؟
لونڈے جب چھین کے لے جاتے ہیں عقلِ ملّا ✤ صورتِ بوم میں ہو جاتا ہے تبدیل ہما
گھر میں بھر جاتی ہے بدّھی پہ جب اس کی جھاڑو
جا کے اسکول میں بن جاتا ہے ٹیچر بدّھو

جب تم اسکول پہنچتے ہو تو ہوتا ہے یہ حال ✤ قلب افسردہ، زباں گنگ، انرجی پامال
شدّتِ ضعف بنا دیتی ہے اس جی جنڈھال ✤ درس کا شغل تو کیا، قال بھی ہوتا ہے محال
نیند کی جھونک میں مدہوش سے ہو جاتے ہو
سینۂ میز پہ سر ٹیک کے سو جاتے ہو

ممتحن تم کو بناتا ہے کوئی بورڈ اگر ✤ ٹھیک ہوتا ہی نہیں ججمینٹ تمہارا اکثر
سرسری ڈال کے اوراقِ نوشتہ پہ نظر ✤ صرف اٹکل سے چڑھا دیتے ہو ان پر نمبر
دام لیتے ہو مگر کام نہیں کرتے ہو
کیا اسی بات پہ ایثار کا دم بھرتے ہو

جب کہیں جاتے ہو تم انوجیلیٹر بن کر ✤ ہم کو ظاہر ہے وہاں جو بھی دکھاتے ہو ہنر
اپنے پٹھوں کی شرارت پہ نہیں رکھتے نظر ✤ نقل کرتے ہیں دھڑتے سے وہ بے خوف و خطر
لاکھ تم ان کو سوالات کے حل دیتے ہو
داؤ چلتا ہے تو کاپی بھی بدل دیتے ہو

پیش ہم نے جو کیا ہے یہ تمھارا کردار ؛ کر نہیں سکتے کسی طرح تم اس سے انکار
بہتر اب حق میں تمھارے ہے یہی چارۂ کار ؛ اپنے ان کردہ گناہوں پہ کرو استغفار
صدق دل سے جو وفادار ہمارے بنجاؤ
چند ہی روز میں پھر راج دلارے بنجاؤ

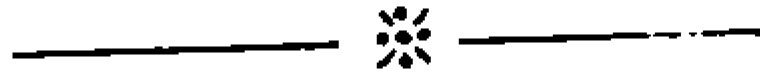
تم نے تنخواہ کا ہم سے یہ کیا ہے جو گِلا ؛ حق تو یہ ہے کہ نہیں فعل تمہارا یہ بجا
دردِ جو رکھتے نہیں چاہتے ہو اس کی دَوا ؛ ہم سمجھتے ہیں یہ ٹرلونگ کہاں تک ہے روا
رازِ دَر پَردہ کی تم سب کے خبر رکھتے ہو
اندھے آنکھوں کے نہیں، گِدھ کی نظر رکھتے ہو

ٹیوشن کرتے ہو ہر وقت بِنَا پر مشین ؛ گھیر لیتے ہو بیک وقت بہت سی پلٹن
پیشگی فیس کے ہوتے ہیں جو ڈیلی درشن ؛ خالی رہتا نہیں نوٹوں سے تمہارا دامن
دیکھتے تم کبھی افلاس کی صورت ہی نہیں
تم کو تنخواہ کی ہر ماہ ضرورت ہی نہیں

بن کے آجاؤ گے جس وقت حقیقی ٹیچر ؛ وہی ہم ہوں گے وہی تم وہی رحمت کی نظر
شکوہ تنخواہ کا لاؤ گے نہ ہرگز لب پر ؛ پاس ہوگا نہ تمھارے کبھی عسرت کا گذر
خُلد بن جائے گا گھر عیش سے جینا ہوگا
ڈیڑھ سو دن کا نہ پھر کوئی مہینا ہوگا

ترجمان آج بنا ہے جو ہمارا شہباز ✣ رہ چکا ہے یہ مدارس میں تمہارا دم ساز
اہلِ اسکول کا معلوم ہے اس کو ہر راز ✣ اسی باعث تو یہ بے باک ہے یوں کلّہ دراز

چہرۂ رِند سے پَردہ نہ اٹھائے کیونکر
گھر کا بھیدی ہے لنکا کو نہ ڈھائے کیونکر



رضا نقوی واہی

پروفیسر نامہ

(نظیر اکبر آبادی کی نظم "آدمی نامہ" کی پیروڈی)

ڈی لٹ جسے ملا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر ✤ پی-ایچ-ڈی جو ہوا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
پٹنہ کا جو پڑھا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر ✤ انگلینڈ جو گیا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
بیرنگ جو پھرا ہے، سو ہے وہ بھی لکچرر

طبعاً جو فلسفی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر ✤ ذہناً جو منطقی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
عقلاً جو مولوی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر ✤ سہواً جو آدمی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
شکلاً جو رو رہا ہے، سو ہے وہ بھی لکچرر

چالاک لومڑی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر ✤ اور جس میں گربگی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
اُلٹی جو کھوپڑی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر ✤ ساون کی جو جھڑی ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
چکنا جو اک گھڑا ہے، سو ہے وہ بھی لکچرر

وہ بھی کہ جس کے علم کی پونجی قلیل ہے ✤ وہ بھی جو راہِ علم میں اک سنگِ میل ہے
وہ بھی ہے لکچرر، جو ادیب جلیل ہے ✤ وہ بھی ہے لکچرر کہ جو خانِ خلیل ہے
جو اُس کی فاختہ ہے، سو ہے وہ بھی لکچرر

درسی کتاب لکھ کے بنا ہے ادیب جو ✤ اپنے مقام کو نہیں سمجھا غریب جو
بنتا پھرے ہے اہلِ قلم کا رقیب جو ✤ اپنی حماقتوں کا ہے خود ہی نقیب جو
جو گھاس کاٹتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

ہر پبلشر کا پیر پکڑتا پھرے ہے جو ✤ ہر آستاں پہ ناک رگڑتا پھرے ہے جو
کوتاہیوں پہ اپنی اکڑتا پھرے ہے جو ✤ بے وجہ ساتھیوں سے جھگڑتا پھرے ہے جو
لنگھی جو مارتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

جس کے دماغ میں ہو حماقت کا اک شگاف ✤ کھسکا ہو جس کا ذہن ٹلے جس طرح سے ناف
دامن کو اپنے مکر کے صابن سے کر کے صاف ✤ کپڑوں پہ دوستوں کے بعد لاف و صد گزاف
کیچڑ اچھالتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

اُلّو خوشامدوں سے بناتے ہیں جس کو لوگ ✤ اور انگلیوں پہ اپنی نچاتے ہیں جس کو لوگ
بندر بنا بنا کے کُداتے ہیں جس کو لوگ ✤ بیلون کی طرح سے اُڑاتے ہیں جس کو لوگ
جو بانس پر چڑھا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

ہوتا ہے جو ذلیل برابر کلاس میں ✤ شاگرد جس کو کہتے ہیں لوفر کلاس میں
چڑھتا ہے جس کے سر پہ سنیچر کلاس میں ✤ شاگردوں کو چھیڑ کے اکثر کلاس میں
پٹنے سے جو بچا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

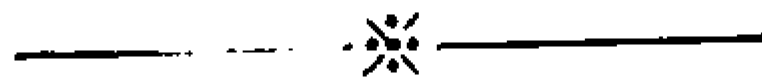
نالاں ہے جس کے ذوقِ سخن سے سخنوری ✤ سینے میں جو ادب کے ہے تنقید کی چھری
جس کے قلم کی نوک سے زخمی ہو شاعری ✤ باوصفِ تربیت ہے جو پیدائشی غبی

یعنی جو سر پھرا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

بے معنیٰ شعر کو جو سمجھتا ہے معنیٰ دار ❊ اور معنیٰ دار شعر ہیں جس کی سمجھ پہ بار
جو شاعری کو سمجھے سیاست کا قرضدار ❊ کنجشکِ فن کو صید سمجھ کر عقاب وار
چنگل سے نوچتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

حُقّہ کی نَے کو زور سے دانتوں میں داب کر ❊ اُگلے قلم سے رشک و رقابت کے جو شرر
گردش میں جس کی عقل ہو، چکّر میں جس کا سر ❊ یاروں کو اپنے دیکھ کے بامِ عروج پر
کھمبا جو نوچتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر

وہ مینڈکی کہ جس کو ہو تنقید کا زکام ❊ مُنھ جس کا بے لگام قلم جس کا بے زمام
لکھتا ہے جو مقالہ و مضموں بدل کے نام ❊ تھوکے جو آسماں پہ بے نیل و بے مرام
وآہی پہ بھونکتا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر



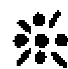
پروگرام

(جوشؔ ملیح آبادی کی نظم "پروگرام" کی پیروڈیاں)

(۱)

بڑا صاحب

افسر کو اگر آپ کہیں ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر خواب کے ٹاپو ملے گا
اور صبح کو وہ بہرِ ہوا خوری سڑک پر
چلتا ہوا بلڈوگ کے پہلو میں ملے گا
اور دن کو وہ کرسئِ رعونت پہ بصد شان
فائل پہ جھکا ورزشِ ابرو میں ملے گا
اور صبح کو وہ صاحبِ انگریز خصائل
پنٹو[۱] میں، ری پبلک[۲] میں، بلازو[۳] میں ملے گا
اور رات کو وہ شہر کے مشہور کلب میں
پیمائشِ طولِ قد و گیسو میں ملے گا



[۱] و [۲] و [۳] پٹنہ کے چند بڑے ہوٹل۔

(۲)

شاعر

شاعر کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر فکر کی دلدل میں ملے گا
اور صبح کو آئینہ لئے سامنے اپنے
اشعارِ تغزّل کی ریہرسل میں ملے گا
دن کو وہ جگر گوشۂ بیکاری و افلاس
بستر پہ خیالات کے جنگل میں ملے گا
اور شام کو حلقے میں مریدانِ سخن کے
بیٹھا ہوا رحمانیہ ہوٹل میں ملے گا
اور شب کو سرِ بزمِ سخن صدر کے نزدیک
گالوں کو پھُلائے صفِ اوّل میں ملے گا

مُلّا

مُلّا کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر نفخ کی حالت میں ملے گا
اور صبح کو وہ بندۂ مجبورِ مراسم
سُکڑا ہوا محرابِ عبادت میں ملے گا
بعد اس کے وہ ہوٹل میں خدا دین میاں کے
ناسازیٔ معدہ کی شکایت میں ملے گا
اور ظہر کے کچھ بعد وہ لکھتا ہوا تعویذ
عوراتِ محلّہ کی رفاقت میں ملے گا
اور شام کو جنّات کی مسجد میں کنویں پر
تسخیر اجنّہ کی ریاضت میں ملے گا
اور محفلِ میلاد ہو یا بزمِ عروسی
ہر رات وہ بریانی کی دعوت میں ملے گا

———— ※ ————

(۴)

لیڈر

لیڈر کو اگر آپ کہیں ڈھونڈنا چاہیں
رہ پچھلے پہر حجرۂ دلبر میں ملے گا
اور صبح کو وہ بندۂ اغراض و مقاصد
سرخم کئے دربار منسٹر میں ملے گا
اور دن کو وہ جنتا کی چراگاہ کا بھینسا
چرتا ہوا پرمٹ کسی دفتر میں ملے گا
اور شام کو احباب کے پیسوں کی بدولت
ہوٹل میں کہیں یا کسی پکچر میں ملے گا
اور رات کو ہاتھوں میں لئے بھات کی تھالی
بیوی سے جھگڑتا ہوا وہ گھر میں ملے گا

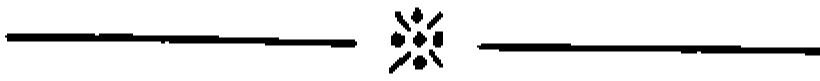


(۵)

پروفیسر

کالج کے مدرّس سے جو ہو آپ کو ملنا
وہ پچھلے پہر اپنے نشیمن میں ملے گا
اور صبح کو وہ چند کتابوں کا مؤلّف
ناشر سے تقاضائے کمیشن میں ملے گا
اور دن کو وہ کالج میں پڑھانے سے زیادہ
مشاطگیٔ زلفِ الیکشن میں ملے گا
کھولے گا سیاست کی گرہ چشمِ زدن میں
لیکن دمِ لکچر بڑی اُلجھن میں ملے گا
غالبؔ کے کسی شعر کا مطلب نہ سمجھ کر
پیشِ طلبا قلب کی دھڑکن میں ملے گا
اُلجھے گا جو اقبالؔ کے گیسوئے خودی میں
تجزیۂ فن کاری ملٹن میں ملے گا
لکچر کبھی جو دے گا تو وہ میٹر سے زیادہ
اُلجھا ہوا اسٹائل و ڈکشن میں ملے گا

تحقیق کا سودا کبھی ہوگا تو سرِ شام
پڑھتا ہوا کتبہ کسی مدفن میں ملے گا
اور رات کو بچّوں کو کسی بات پہ دھپ کے
مکّھی کی طرح بیوی سے بھِن بھِن میں ملے گا



شوکت تھانوی

مومن

(اقبال کی نظم "مومن" کی پیروڈی)

دُنیا میں

کمزور مقابل ہو تو فولاد ہے مومن
انگریز ہو سرکار تو اولاد ہے مومن
قہاریؔ و غفّاری و قدّوسی وجبروت
اس قسم کی ہر قید سے آزاد ہے مومن
ہو جنگ کا میدان تو اک طفلِ دلبستاں
کالج میں اگر ہے تو پری زاد ہے مومن

جنت میں

شکوہ ہے فرشتوں کو کم آمیز ہے مومن
حُوروں کو شکایت کہ بہت تیز ہے مومن

※

متفرق اشعار

(اساتذہ کے اشعار کی پیروڈیاں)

کیا سے کیا بیرم کو اکبرؔ تو نے ہاں ہاں کردیا
پہلے خاں، پھر خانِ خاں، پھر خانِ خاناں کردیا

※

اگر یہی اپنی اصلیت ہے تو اس کو کب تک چھپا سکو گے
جو چُپ رہے گی زبانِ قینچی، تو دھار چمکے گی اُسترے کی

※

فاقے کا خُو گر ہوا انساں تو مٹ جاتی ہی بھوک
اس قدر فاقے پڑے ہم پر کہ لقمہ ہو گئے

※

اُگ رہا ہے ترے رخسار پہ سبزہ غالبؔ
تُو ہے سجدے میں ترے رُخ پہ بہار آئی ہے

※

ہنگامہ ہے کیوں برپا، نسبت ہی تو بھیجی ہی
ڈاکہ تو نہیں ڈالا، چوری تو نہیں کی ہے

ظریف جبلپوری

ابھی تو میں جوان ہوں

(حفیظ جالندھری کی نظم " ابھی تو میں جوان ہوں" کی پیروڈی)

زمانہ سازگار ہے ؂ کہ عشق پر مدار ہے
وہ حُسن کی بہار ہے ؂ غضب کا یہ نکھار ہے

دلِ حزیں کہاں چلا
پلٹ پلٹ اِدھر تو آ
ابے یہ کیا' ابے یہ کیا
اٹھا نظر، نظر اٹھا

نظر اُٹھا کے دیکھ ادھر ؂ یہ بے شمار فتنہ گر
چلے ہیں جانب صدر ؂ خبر ہے تجھ کو بے خبر

وہ گوری گوری انگلیاں
نقاب سے ہوئی عیاں
اور اک ہجومِ عاشقاں
صدر کی سمت ہے رواں

کوئی یہاں، کوئی وہاں عجیب سا ہے یہ سماں
"خیال زُہد ابھی کہاں
ابھی تو میں جوان ہوں"
محبّتوں کا ذکر ہے! نہ دل کی کوئی فکر ہے
نہ خبط ہے ثواب کا نہ ڈر ہے کچھ عذاب کا
مگر سُنو تو پھلجھڑی
عجیب شے ہو واقعی
ہے عشق اور حُسن کی
ازل سے پکّی دوستی
وہ مائلِ گریز ہوں نگاہیں حشر خیز ہوں
ادائیں برق ریز ہوں گمان کیوں نہ تیز ہوں
یہ مہ لقاؤں کی نظر
جو حُسن سے ہے تربتر
بلائے مجھ کو اپنے گھر
تمہیں بتاؤ دوڑ کر
میں کیوں نہ جاؤں پیشتر ٭ کمی ہو حُسن میں اگر
نہیں ہے مجھ کو اس کا ڈر

"ابھی تو میں جوان ہوں"

یہ فکر کوئے یار کی ٭ یہ دید گلعذار کی
یہ میرے دل کے حوصلے ٭ یہ ان کے لاکھوں چونچلے
جنون عشق ہوگیا
نہ ہنس گیا نہ رو گیا
رقیب ایسا کھو گیا
جگا کے مجھ کو سو گیا

درست سب کہانیاں ٭ ڈھلی ہوئی جوانیاں
کریں جو مہربانیاں ٭ تو بھولوں لن ترانیاں
اب ایسے دَر پہ یہ جبیں
کبھی نہیں، کبھی نہیں
عدو ہے مارِ آستیں
رگڑ دوں اس کا مُنہ یہیں

نکل پڑے گی مُنہ سے جیں ٭ جب اس کو آئے گا یقیں
کہ صرف یہ اکڑ نہیں
"ابھی تو میں جوان ہوں"

ہو ساتھ گھر گرہست کا ٭ نہ ہوش چیز لبست کا

خیال بُت پرست کا ٭ مہینہ ہو اگست کا
نہ عقل اور حواس گم
نہ خوف اور ہراس گم
جو دل تھا میرے پاس گم
میرا ’لکنگ گلاس گم
نہ عشق میں کمی رہے ٭ نہ آنکھ میں نمی رہے
جو دھاک ہے جمی رہے ٭ مگر تو آدمی رہے
ظریف وہ غزل سُنا
کہ جھوم اُٹھے مشاعرا
ہو شعر خواہ پُھسپُھسا
”جگر میں آگ دے لگا“
ہر ایک لب پہ ہو صدا ٭ کہ خوب شعر گا دیا
”سُنائے جا، سُنائے جا
ابھی تو میں جوان ہوں“

———— ※ ————

سلیمان خطیب

بے چارگی

(مخدوم محی الدین کی نظم "چارہ گر" کی پیروڈی

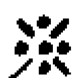
میکدے سے ذرا دُور
اس موڑ پر
ایک غلّے کی اُونچی دکاں کے تلے
چند بھوکے کھڑے تھے
بڑی دیر سے
چلچلاتی ہوئی چیل سی دھوپ میں
بدنصیبی کے تھوکے ہوئے روپ میں
سب بدن جل گئے
بھوک کی آگ میں
غلّہ ان کا خُدا
غلّہ ان کی دُعا
غلّہ مشکل کشا

غلّہ حرفِ چنا
سب بدن جل گئے
بھوک کی آگ میں

پھر سنو دوستو !
اک لطیفہ ہوا
اک تماشہ ہوا
اک شگوفہ کھِلا
اک مائی کو کیو میں بچّہ ہوا
صف میں بھوکوں کی پھر اک اضافہ ہوا
مسجدوں کے مناروں نے دیکھا اسے
مندروں کے کواڑوں نے دیکھا اسے
میکدوں کی دراڑوں نے دیکھا اسے
ہم نے دیکھا اسے
دن میں اور رات میں
نور و ظلمات میں
سب بدن جل گئے

بھوک کی آگ میں

یہ فضاؤں میں اُڑتا ہوا آدمی
جس کی مٹھی میں شمس و قمر بند ہیں
ایک چاول کی مٹھی کا محتاج ہے
یہ بتا چارہ گر! تیری زنبیل میں
کچھ علاج و مداوائے فاقہ بھی ہے
غلّہ امسال تھوڑا جو ارزاں ہوا
ہم بھی گاتے پھریں گے مرے دوستو!
اک چنبیلی کے منڈوے تلے
دو بدن جل گئے، پیار کی آگ میں



بند ہوئے نل چلو

(مخدوم محی الدین کی نظم "چاند تاروں کا بن" کی پیروڈی)

ہمدمو ساتھ دو ؛ ہاتھ میں ہاتھ دو

سوئے منزل چلو ؛ بند ہوئے نل چلو

اب ہے مشکل چلو

رات کی تل چھٹیں ہیں ، اندھیرا ابھی ہے

صبح کا کچھ اُجالا ، اُجالا ابھی ہے

اپنی چوخانہ لنگی لگائے ہوئے

منھ کو مفلر میں تھوڑا چھپائے ہوئے

سر جھکائے ہوئے تن چرائے ہوئے

اپنے اپنے گھڑوں کو اٹھائے ہوئے

دوش پر

سوئے منزل چلو

بند ہوئے نل چلو

اب ہے مشکل چلو

ہمدمو ساتھ دو

نل پہ بیٹھے رہو
پیاسی آنکھوں کے خالی کٹورے لئے
منتظر مرد و زن
سارے پیاسے بدن
سارا جلتا ہے تن
سارا جلتا ہے من
جن میں گاگر بھی ہے
بوڑھا بھانجر بھی ہے
کچّی مٹکی بھی ہے
پکّا مٹکا بھی ہے
چھوٹا ڈبہ بھی ہے
خشک تالاب ہیں
آنکھیں پُرآب ہیں

سوئے منزل چلو ❊ بند ہوئے نل چلو
نل سے پانی کا قطــرہ ٹوٹپکا نہیں
خشک پلکوں پہ تارے اترتے رہے
رات بھر جھلملاتی رہی شمع صبح وطن

ہم ہیں تشنہ دہن
ہم ہیں اہلِ دکن
کنواں سوکھا ہوا
حبیب نادار کا

ہمدمو ساتھ دو ؛ ہاتھ میں ہاتھ دو
سوئے منزل چلو ؛ بند ہوئے نل چلو

گرم جھونکے چلے
شعلے برسا گئے
کھیت کمہلا گئے
کچھ روہانسے گئے
گھر سے پیاسے گئے
دھوپ میں سو گئے
موت کے ہو گئے

ہمدمو ساتھ دو ؛ ہاتھ میں ہاتھ دو
سوئے منزل چلو ؛ بند ہوئے نل چلو

کچھ اماماں صدمکروفن
جن کا اُجلا ہے تن

جن کا کالا ہے من

پھینک کر اپنی نوکِ زباں

اُٹھتی بڑھتی لہر پی گئے

یعنی پوری نہر پی گئے

خونِ نورِ سحر پی گئے

ہمدمو ساتھ دو ؎ ہاتھ میں ہاتھ دو

سوئے منزل چلو ؎ بند ہوئے مل چلو

ماچس لکھنوی

شکوۂ شکر

(اقبال کی نظم "شکوہ" کی پیروڈی)

کیوں نمک خوار بنوں زود فراموش رہوں ٭ فکر زر دہ نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں
گڑ کے طعنے بھی سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں ٭ ہم نشیں میں کوئی مُردہ ہوں کو خاموش رہوں

نفع اندوزوں سے شدّت کی جلن ہی مجھ کو
شکوہ شکّر سے 'یہ خاکم بہ دہن' ہے مجھ کو

خاص درجے کی مٹھاسوں میں تو مشہور ہیں ہم ٭ اب کہ چٹنی سے مربّے سے بھی مجبور ہیں ہم
مرتباں کہتے ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم ٭ نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے شکر شکوۂ اربابِ غذا بھی سن لے
تلخ کاموں سے ذرا اپنا گِلا بھی سن لے

ہم نے مانا کہ تری نسل ہے اتنی ہی قدیم ٭ جتنے یہ غنچہ و گُل جتنی پُرانی ہے شمیم
شہد کی مکھیاں تھیں صاحبِ الطافِ عمیم ٭ تجھ کو لے کر جو پھریں چار طرف مثلِ نسیم

کس کو جمعیت خاطر یہ پریشانی ہے
بس کہ مکھی ہی ترے نام کی دیوانی ہے

یاد تو ہوگا تجھے اپنا وہ پہلا منظر ⁂ گہہ لٹکتی تھی پہاڑوں میں کبھی پیڑوں پہ
خوگرِ پیکرِ محسوس جو تھی اپنی نظر ⁂ دوسری شکل میں لائے ہیں تجھے ہم کیونکر

تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام تیرا
کس کی قوت سے ہوا بول سرانجام تیرا

تجھ سے بیگانہ تھے سلجوقی بھی تورانی بھی ⁂ اہلِ چیں چین میں' ایران میں ایرانی بھی
تھے بڑے شہرۂ آفاق تو ایرانی بھی ⁂ ایک سے ایک یہودی بھی تھے نصرانی بھی

کی ہے ہل بیلوں سے کھیتوں پہ چڑھائی کس نے
یُو کے گنّے کو تری بات بنائی کس نے

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں ⁂ ناؤ پر لاد کے بھیجا تجھے دریاؤں میں
کیک میں ڈال کے پہنچایا کلیساؤں میں ⁂ گاڑے جھنڈے ترے ہر شہر میں ہر گاؤں میں

کہیں فہرست میں ہوتے جو جہانداروں کی
ترا دم بھرتے یونہی چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو کیا صرف اسی دُرگت کیلئے ⁂ کیا نہ مرتے تھے ترے نام کی عظمت کیلئے
کھیت گوڑے تھے کوئی اپنی حکومت کیلئے ⁂ صرف مِل والے تجھے لیتے ہیں دولت کیلئے

یہ سمجھتے تو نہ یوں ان کو غنی کر دیتے
مل بنانے کے عوض مل شکنی کر دیتے

⁂

ٹل نہیں سکتے تھے جو ہم کھیت میں اڑ جاتے تھے ٭ پاؤں سب چوروں کے مینڈھوں سے اُکھڑ جاتے تھے
پاس آئے جو ترے کوئی، بگڑ جاتے تھے ٭ لاٹھیاں تان لیا کرتے تھے، لڑ جاتے تھے

نقش اس طرح ہر اک دل پہ بٹھائے ہم نے
جان دے دے کے ترے کھیت بچائے ہم نے

قوم سیٹھوں کی نہ یوں تیری طلبگار ہوئی ٭ نہ ترے واسطے زحمت کشِ بیکار ہوئی
کس کی محنت سے یہ کھیتی تری تیار ہوئی ٭ کون سی آنکھ تھی جو رات کو بیدار ہوئی

امتحاں گاہ میں دل والے کہاں رہتے تھے
آ کے کھیتوں میں یہ مل والے کہاں رہتے تھے

اب بھی ہر دل میں ہمارے وہی سوز اور وہی ساز ٭ جھولے ہاتھوں میں لئے صبح پہر بعدِ نماز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ٭ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
آ کے دوکان پہ راشن کی سبھی ایک ہوئے

اور دوکان سے راشن کی جو ناکام پھرے ٭ حسرتِ وصل میں تکنے بھی لئے دام پھرے
بڑی دوکانوں پہ لے لے کے ترا نام پھرے ٭ مضطرب ہجر میں تیرے سحر و شام پھرے

چھوٹے چھوٹے بھی دوکاندار نہ چھوڑے ہم نے
چور بازار میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

یوں تو دنیا میں بہت تیرے خریدار بھی ہیں ٭ دانہ دانہ ترا چگ لینے کو تیار بھی ہیں
نفع خوری میں وہ چالاک ہیں ہشیار بھی ہیں ٭ سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں تری فیرینی کی دوکانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے پریشانوں پر

ہم سے بیچاروں پہ دیدار ترا ہے نایاب ٭ اور گداموں میں کوئی حد ہے تری اور حساب
گھر میں مہمان جو آتے ہیں تو آتا ہے حجاب ٭ چائے بھی ان کو پلا سکتے نہیں خانہ خراب

ہائے اب کس سے کہیں پیش جو دشواری ہے
کیا ترے نام پہ مَرنے کا عوض خواری ہے

بن گئی تیری نئی چاہنے والی دنیا ٭ رہ گئی اپنے لئے ایک خیالی دنیا
نفع خوروں نے بنا دی تری کالی دنیا ٭ پا کے یہ حال حکومت نے سنبھالی دنیا

نہ سہی تُو نہ ملے ہم کو ترا نام رہے
چائے نمکین ہی پی لیں گے جو ناکام رہے

——— ٭ ———

طالب خوندمیری

"شکوہ"۔۔ اردو کا اپنے وطن سے

(اقبال کی نظم "شکوہ" کی پیروڈی)

کیوں زیاں کار بنوں، نطق فراموش رہوں ✤ فکرِ فردا نہ کروں، غافل و بے ہوش رہوں
طعنے اپنوں کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں ✤ کوئی پیدائشی گونگی ہوں کہ خاموش رہوں

جرأت آموز مری تاب سخن ہے مجھ کو
شکوہ تجھ سے ہی بہت خاکِ وطن ہے مجھ کو

ہے بجا شعبۂ تعلیم میں مشہور ہوں میں ✤ پھر بھی اسکول سے کالج سے بہت دور ہوں میں
اب مکانوں سے دوکانوں سے بھی کافور ہوں میں ✤ ایک زندانِ سیاست ہی میں محصور ہوں میں

اے وطن میری تباہی کی کتھا بھی سن لے
ایک مجبور سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

تیری تہذیب و تمدن میں زمانے میں عظیم ✤ تیری دھرتی پہ ہیں کب سے کئی اقوام مقیم
یوں تو موجود یہاں کتنی زبانیں تھیں قدیم ✤ مجھ سے پیدا ہوا لوگوں میں مگر ذوقِ سلیم

مجھ سے بس اہلِ تعصب کو پریشانی تھی
ورنہ دنیا مرے اسلوب کی دیوانی تھی

مجھ سے پہلے تھا عجب تیری زبانوں کا اثر ✤ کہیں اظہار کے پتھر، کہیں لہجہ کنکر
کہیں الفاظ پہ رک جاتی تھی لنگڑا کے نظر ✤ سیکھتا پھر کوئی معذور زبانیں کیونکر

آ کے میں نے ہی تغزّل سے بھرا جام ترا
میں نے پھولوں کی زبانوں سے لیا نام ترا

محفلِ خورد و کلاں میں صفتِ جام پھری ✤ لے کے آسان قواعد سحر و شام پھری
لکھنؤ، دِلّی و پنجاب تا آسام پھری ✤ کیا کبھی کام سے اپنے کہیں ناکام پھری

شہر تو شہر ہیں قریے بھی نہ چھوڑے میں نے
دُور، دیہات میں دوڑا دیئے گھوڑے میں نے

فتنہ پرداز یہ کہتے ہیں غزل خواں گئے ✤ طنز کرتے ہیں کہ اردو کے نگہبان گئے
میرؔ و غالبؔ سے سخنور بھی پریشان گئے ✤ اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے دیوان گئے

ان کے طعنوں کا بھی احساس تجھے ہے کہ نہیں
ان بزرگوں کا بھی کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

ریختی میرؔ کی اور فیضؔ کی اردو بھی وہی ✤ میرے تیور بھی وہی، حُسن کا جادو بھی وہی
اے مرے پیارے وطن، میں بھی ہی تو ہوں ہی ✤ تیری مٹّی کی مری رُوح میں خوشبو بھی وہی

پھر یہ بیزارگی یہ چشمِ غضب کیا معنی
مجھ سے غیروں کا سا برتاؤ یہ اب کیا معنی

✤

میں تو پیدا ہوئی بھارت میں محبت کیلئے ؞ سب برتتے ہیں مگر اپنی ضرورت کیلئے
مُہرۂ خاص ہوں اربابِ سیاست کیلئے ؞ نعرۂ زود اثر ہوں میں حکومت کیلئے

جب کبھی آتا ہے الیکشن تو میں یاد آتی ہوں
ورنہ پھر سب کے دماغوں سے نکل جاتی ہوں

سرپرستی رہی نیتاؤں کی مانندِ سراب ؞ مجھ پہ ٹوٹا ہے بہت ان کی عنایت کا عذاب
ان کے حیلوں کی کوئی حد نہ بہانوں کا حساب ؞ میں نے دیکھے ہیں بہت ان کے دکھائے ہوئے خواب

فطرتاً ان کی طبیعت میں اداکاری ہے
ان کے وعدوں سے بہلنا مری بیماری ہے

اک زمانے سے جنھیں گھاس نہ ڈالی دنیا ؞ کر رہی ہے انھیں لہجوں کی جگالی دنیا
ہر طرف اور زبانوں نے سنبھالی دنیا ؞ رہ گئی میرے لئے صرف خیالی دنیا

اے وطن میرا ٹھکانہ کبھی کہیں ہے کہ نہیں
تیری وسعت میں کوئی میری زمیں ہے کہ نہیں

———— ؞ ————

شفیق فاطمہ شعریٰ

سبزی بازار

(مخمورؔ جالندھری کی نظم "گرمیٔ بازار" کی پیروڈی)

ایک بکری نام جمّی خوب صورت بھولی بھالی
رنگ بھورا، خوش گلو، خوش فعل، بانکی
گھر سے باہر لوٹ چوری گھر میں کرتی ہے جگالی

صبح ہوتے گھر سے نکلے جاگ اٹھیں سونے والے
اور پھر وہ شاعرانہ تمکنت سے
گالیاں اور کوسنے ہمسائے کے ہنس ہنس کے ٹالے

دیکھ کر سبزی فروش اس کو سنبھل کر بیٹھ جائیں
جیسے دل ہی دل میں اپنے کہہ رہے ہوں
"تو قریب آ تو سہی شیطان، مزا تجھ کو چکھائیں

کوئی بھی گھس کر بھرے بازار میں شلجم چرائے
اس کے بدلے بے خطا جمّی سدھارے
کونڈواڑہ[1] کی طرف جیسے دلہن سسرال جائے

اس کے دم سے اپنے آنگن میں ہے پانی پت کی ہلچل
کوئی اس سے سیکھ لے فتنے جگانا
سب کی کھیتی اس کی کھیتی، سارے جنگل اس کے جنگل

گر کبھی ایسا مقام آئے جہاں ہوں بند راہیں
پھاند کر دیوار ہو جاتی ہے غائب
اور رہ جاتی ہیں سب کی شرم سے نیچی نگاہیں

چوکڑی بھرتی ہے یا اُڑتی ہے شاخِ گل ہوا میں
رشکِ دریا ہے خرامِ ناز اس کا
اس کی ممیاہٹ سے ہنسی گونج اٹھتی ہے فضا میں

---

[1] کانجی ہاؤس۔

موہ لیتی ہے دلوں کو اس کی چشمِ آہوانہ
سن رکھیں وہ سب جو اس کی تاک میں ہیں
جو کبھی بھیڑا اِس کو مارے۔ چوک جائے گا نشانہ

چند مالی جن کو جمّی کے تعاقب کا جنوں ہے
نیم کے سائے میں بیٹھے ہانپتے ہیں
اس جہاں میں خاتمہ سب کی تگ و دَو کا سکوں ہے

مدّعی جلتے رہیں یہ تو ہے اپنی اپنی قسمت
ہو گئی ہمسائی کی بڑھیا بھی لنگڑی
ہے بزرگوں کا مقولہ "جیسی حرکت ویسی درگت

ایک بکری نام جمّی سب گڈریوں کی دلاری
عزم جس کا اِس حقیقت کا پیامی
ایک ہنگامے پہ رونق گھر کی ہے موقوف ساری

⁂

للتا کماری

زندگی

(جذبی کی نظم "موت" کی پیروڈی)

اپنے دھوئے ہوئے بالوں کو سکھالوں تو چلوں
اپنی ننّھی کو ذرا دودھ پلالوں تو چلوں
اور نوکر پہ بھی کچھ رعب جمالوں تو چلوں
ابھی چلتی ہوں ذرا خود کو سنبھالوں تو چلوں

وہ مرے بچّے کی شلوار کہاں ہے، لانا
میرے شوہر کی وہ دستار کہاں ہے، لانا
وہ مری جوتی و پیزار کہاں ہے، لانا
ایک دو پان ذرا اور بنالوں تو چلوں

اور دکھلائے گی کیا مجھ کو یہ شب بیداری
یعنی اس وقت اندھیری ہے یہ دنیا ساری
رات جاگی ہوں تو اب تک ہیں پپوٹے بھاری
سرمہ آنکھوں میں ذرا اور لگالوں تو چلوں

رو رہے ہیں جو مرے لال تو رونے دو انھیں
جان کھونے پہ ہیں آمادہ تو کھونے دو انھیں
ہیں جو بے حال تو بے حال ہی ہونے دو انھیں
نظم پڑھنی ہے مجھے، نظم سنا لوں تو چلوں

راہ میں کار جو بگڑی تو مصیبت ہوگی
دیر ہو جائے گی اور مفت کی خفّت ہوگی
گھر اگر دیر سے پلٹی تو قیامت ہوگی
اپنے دلبر کو بھی میں ساتھ بٹھا لوں تو چلوں

گوپی ناتھ امن

(میر کی غزل کی پیروڈی)

اُلٹے ہو گئے سارے ووٹر، نوٹوں نے وہ کام کیا
آخر لالہ لکھّی مل نے میرا کام تمام کیا

ناحق دِلّی والوں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہیں سو سرکار کریں ہم کو عبث بدنام کیا

یاں کے نظم و نسق میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہی
اس لیڈر کو سلام کیا اور لیڈر کو پرنام کیا

بیکاروں کا شغل ہی کیا ہے دلچسپی ہے یا شطرنج
کھٹ پٹ، کھٹ پٹ، کھٹ پٹ، صبح سے تا شام کیا

میرے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو تم، میں نے تو
مسجد میں چوپائی گائی، ٹھاکر جی کو سلام کیا

سارے لیڈر ہمت ہارے، سارے افسر بے بس تھے
دس روپے میں بابو جی نے میرا سارا کام کیا

مندر سے بھی میرا تعلق، اور کلب گھر سے بھی ربط
صبح و شام تو مالا پھیری، رات کو شغلِ جام کیا

مضطر مجاز

کہہ مکرنیاں

(امیر خسرو کی "کہہ مکرنیوں" کی پیروڈی)

۱

تن من میں اک آگ لگا دے
آنکھیں، گال، بدن، دہکا دے
ڈھیلے کر دے انجر پنجر
اے سکھی ساجن
نا سکھی فیور

۲

گال چھوئے، پیشانی چومے
لپٹا لپٹا ساتھ ہی گھومے
ساتھ نہ چھوڑے اک پل اک تل
اے سکھی ساجن
نا سکھی آنچل

۳

جیون کے سب بھید وہ کھولے
بستر میں بھی ساتھ وہ ہولے
ہاتھ نہ چھوڑے نیند آنے تک
اے سکھی ساجن
نہ سکھی پُستک

۴

پہنچا پکڑے، ہاتھ مروڑے
پکڑے ہاتھ تو ہاتھ نہ چھوڑے
دُکھ دُکھ جائے کلائی یا پن
اے سکھی ساجن
نا سکھی کنگن

※